خدا رسولؐ

اور رسالت

شہید راہ حق:

حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب: خدا رسولؐ اور رسالت
مولف: حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ: انس کمیونیکیشن 0300-4271066
ناشر: معراج کمپنی لاہور
پیشکش و تعاون: باب العلم دار التحقیق (فروغ ایمان ٹرسٹ) کراچی
زیرِ اہتمام: ابوظہیر

ملنے کا پتہ

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

0333-5234311

فہرست

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

عَرضِ ناشر

ابتدا ہے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے درود نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر کہ جن پر خدا اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں، اور سلام ہے ان کی اولاد پر جو ہماری رہنما اور وصی ہیں۔

معراج کمپنی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے قیام کے دن سے آج تک منفرد کام سرانجام دیئے ہیں، جناب سید العلما، آغا رہبر اور دیگر اکابرین کے آثار وافکار پر کام کیا اور ان بزرگانِ دین کی کتب کو جمع کر کے اشاعت کے زیور سے آراستہ کیا، اور اب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و آثار کو جمع و تدوین کا بیڑا اٹھایا ہے، شہید کی دستیاب کتب شائع کرنے کا اعزاز بھی معراج کمپنی کے حصہ میں آیا ہے یہ خدا کے احسان کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے ہم جیسے سیاہ کاروں کے ان بزرگوں کے آثار کی جمع و تدوین کا کام لیا ہے۔

پیام اسلامک سنٹر کراچی کے مہتمم محترم جناب سید فدا حسین رضوی نے ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ جناب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر کتب میں سے اس وقت کوئی کتاب بھی پاکستان میں دستیاب نہیں ہے جس سے محبان شہید باقر الصدر بہت افسردہ ہیں، نا صرف توجہ دلائی بلکہ کتب بھی مہیا کیں، اگر یہ کہا جائے کہ یہ ساری کاوش جناب سید فدا حسین رضوی صاحب کی ہے تو بے جا نہ ہوگا ادارہ ان کا انتہائی ممنون

ومشکور ہے اوران کے لئے دعا گو ہے۔اللہ ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

انسان نے جب علم حاصل کیا اوراس میں ترقی کرتا گیا تو اس نے اپنے آپ کو دنیا سے بلند تصور کرنا شروع کر دیا اوراس کا نتیجہ لازمی طور پر خدا کے وجود سے انکار پر جا کرٹھہرا اوراس نے یہ ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ دنیا میں کوئی خدانہیں ہے اور یہ سب کچھ اسی طرح چل رہا ہے، جیسے جیسے ان نام نہاد فلسفیوں نے اپنے نظریات سے انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ویسے ویسے ان کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے جید علمائے کرام نے اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ ومحاسبہ کیا۔ مذکورہ کتاب بھی اسکی سلسلہ کی کڑی ہے امید ہے کہ قارئین کرام اس سے سیر حاصل استفادہ فرمائیں گے۔

اس کتاب کی اشاعت کے لئے باب العلم دارالتحقیق (فروغ ایمان ٹرسٹ) کراچی کے رئیس جناب سید شہنشاہ حسین نقوی مدظلہ العالی نے مالی تعاون پیش فرمایا ہے اللہ رب العزت ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اوران کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ادارہ ان تمام افراد کا انتہائی ممنون ومشکور ہے جنہوں نے شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے کتب کی فراہمی میں مقدور بھر کاوش وسعی انجام دی۔

اگر کسی کے پاس شہید باقر الصدر کی کوئی تصنیف موجود ہے تو ازراہ کرم ہمیں ارسال فرمادیں تاکہ اس کو شائع کیا جاسکے اورآپ اس کار خیر میں ہمارے رفیق کار ہوں اور دنیا اورآخرت کی منازل میں ترقی کا سبب بن جائیں۔

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد وآلہ الطاہرین۔

بیسوی صدی کا دوسرا دور تھا کہ جب گزشتہ چند صدیوں سے اسلامی امت پر سایہ افگن ظلم واستبداد کے کالے بادل رفتہ رفتہ چھٹنے لگے۔ مسلمان قوم جو عرصہ دراز سے جمود اور انحطاط کے اندھیرے میں گم تھی اچانک اسے روشنی کی نوید ملی اور اسلامی وقار، جو عرصے سے مستکبروں اور ظالموں کے قدموں تلے روندا جا رہا تھا، یک بیک اس کے پیکر میں تازہ روح دوڑ گئی۔ اسلام کو ملنے والی یہ نئی زندگی درحقیقت ایران کے عظیم ترین رہنما اور بانئ انقلاب حضرت امام خمینی قدس سرہ کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کا نتیجہ تھی۔ اس عظیم انقلاب کی کامیابی کے بعد نہ صرف اسلام دوبارہ زندہ ہوا بلکہ اس میں نئی توانائی اور نیا جوش و ولولہ پیدا ہوا جس نے عالم کے مستکبروں اور استعماری طاقتوں کی نیندیں حرام کر دیں اور اسلامی ملکوں سے وابستہ ان کے منافع کو زبردست نقصان پہنچایا۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلامی انقلاب سے ملنے والی اس نئی زندگی نے اگر اسلامی امت کو پوری دنیا میں ایک متحدہ معاشرے کا تصور عطا کیا ہے تو بلاشبہ یہی نقطۂ نظر عالم اسلام کے عظیم مفکر حضرت آیت اللہ علامہ شہید باقر صدر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا۔ آیت اللہ علامہ شہید باقر صدر رحمۃ اللہ علیہ جدید اسلامی تحریک کے عظیم علمبردار تھے۔ آپ نے اپنے ہمہ گیر جدید افکار

پر مشتمل گہری تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ امت اسلام کو روشنی کی ایک نئی راہ دکھائی اور اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کیا۔ آپ کی اسلامی ثقافتی وعلمی تحریک نے غیر اسلامی اور مغربی افکار ورجحانات کو جو اسلامی معاشرے پر تیزی سے حاوی ہو رہے تھے اور فرزندان اسلام کو گمراہ کر رہے تھے پیچھے ڈھکیل دیا اور اسلامی مفکرین کے لئے فکر ونظر کی نئی راہیں کھول دیں۔

آیت اللہ علامہ شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر لیاقت اور نئی اسلامی فکر کے ذریعہ متمدن دنیا کے جدید دانشوروں اور نام نہاد مفکروں کے آگے آہنی دیوار کی مانند ڈٹ گئے اور مادی تمدن کی اعتقادی اور فکری بنیادوں کو یکے بعد دیگرے منہدم کر کے آپ نے بے دین اور الحادی افکار کی ناتوانی کو ثابت کر دیا اور اس کی ظاہری جاذبیت کا پردہ چاک کر دیا۔ اس طرح آپ نے آنکھیں بند کر کے مغرب کی تقلید کرنے والے مشرقی مفکروں کے سامنے آج کے انسانی معاشرے کی مشکلات کے حل کے سلسلے میں دینی نظریہ کی بے مثال تاثیر اور طاقت کو ثابت کر دیا اور یہ بتا دیا کہ نئی زندگی کی کشاکش میں صرف دین ہی انسان کی خیر وسعادت کا ضامن ہوسکتا ہے۔

آیت اللہ شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کی جدت کسی ایک خاص محور اور موضوع سے مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ آپ نے مختلف میدانوں میں علی الخصوص عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے تحت اسلامی فکر کی نئی شمعیں روشن کی ہیں۔ اسلامی اقتصاد، اسلامی فلسفہ ومنطق کے ساتھ ساتھ آپ نے دینی علوم کے میدان میں بھی فکر ونظر کے نئے چراغ جلائے ہیں اور فقہ و اصول، فلسفہ وکلام اور تفسیر و تاریخ پر بھی اپنے جدید نظریات کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ نتیجہ میں ان تمام علوم میں اس وقت ایک نیا انقلاب نظر آتا ہے اور یہ فکری انقلاب ہر علم کے ماہر ومحقق کو نت نئے میدانوں کی راہ دکھاتا ہے۔

آیت اللہ علامہ شہید سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی المناک شہادت کی دو دہائیاں گزرنے کے باوجود آج بھی علمی حلقے اور تحقیقاتی مراکز اس عظیم شہید کے علم و

دانش سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ان کے علمی آثار اور جدید افکار کی ضرورت کا احساس بحث و تحقیق کے مختلف میدانوں میں کیا جا رہا ہے۔

اس ضرورت و اہمیت کے پیش نظر ہم نے کہ طے کیا ہے کہ شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے شایان شان ان کی علمی اور ثقافتی میراث کو وسیع پیمانے پر زندہ کر کے دنیا کو ان قیمتی افکار سے روشناس کرایا جائے۔

شہید صدرؒ کے علمی آثار میں سے وہ کتاب جسے مختلف زبانوں میں ترجمہ کی غرض سے اولویت حاصل ہوئی کتاب المرسل الرسول الرسالہ ہے اس کتاب کو شہید صدرؒ نے اپنی کتاب انفادی الواضحہ کے مقدمے کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ انفادی الواضحہ ان کی فقہی آرا اور فتاوی پر مشتمل ایک مکمل کتاب ہے۔

شہید صدرؒ نے اس مقدمہ میں شیعہ فقہا کی دیرینہ روش پر دینی عقائد کو مختصر لیکن استدلالی انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ موضوع کی اہمیت اور جدت روش کے پیش نظر یہ مقدمہ بارہا شائع ہو چکا ہے۔

ہم اس کا اردو ترجمہ شائع کر کے اردو قارئین کی نذر کر رہے ہیں امید ہے یہ کام معارف اہل بیت کی نشر و اشاعت کی راہ میں ایک اچھا قدم ثابت ہوگا۔

تمہید

مجھ سے بعض علمائے اعلام، بہت سے طلبہ اور اکثر مومنین نے یہ فرمائش کی کہ میں سابق علما کی اقتدا کرتے ہوئے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھاؤں جس کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

ان علما کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے رسالہ عملیہ کے ساتھ ہی اصول دین اور معرفت صانع سے متعلق ایک باب کا اضافہ کر دیتے تھے۔ یا اس کے لئے ایک مختصر یا تفصیلی مقدمہ لکھتے تھے، کیونکہ رسالہ ایک اجتہادی تعبیر ہے۔ یعنی شریعت کے وہ احکام جن کے ساتھ خدا نے خاتم النبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے۔ یہ احکام بنیادی طور سے اصول دین پر استوار ہیں۔ یعنی احکام کو بھیجنے والے خدا پر ایمان اور اس کی طرف سے مبعوث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رسالت پر یقین ہر رسالہ عملیہ کی غرض کو تشکیل دیتے ہیں اور اس کی ضرورت کو ظاہر کرتے ہیں اس لئے انہیں رسالہ عملیہ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

میں نے سب کی یہ خواہش قبول کر لی، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں خدا کی رضا ہے اور یہ وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔ لیکن یہ سوال پیش آتا ہے کہ میں یہ مقدمہ کس اسلوب سے لکھوں؟ کیا اسے اسی اسلوب کے ساتھ لکھوں کہ جس طرح اس کتاب ''فتاویٰ الواضحہ'' کو پیش کیا یا انہیں استدلالی روش کے ساتھ لکھوں؟

لیکن یہاں میں نے محسوس کیا کہ اس مقدمہ اور فتاویٰ الواضحہ'' کے درمیان بنیادی فرق ہے کیونکہ فتاوی میں احکام اور اجتہاد استنباط کے نتائج کو استدلال و بحث کے

بغیر پیش نہیں کیا جاتا ہے جبکہ مدنظر مقدمہ کو یوں ہی پیش کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں استدلال کی ضرورت ہے کیونکہ اصول دین میں شرعی لحاظ سے یقین حاصل کرنا واجب ہے اور مقدمہ کا مقصد دین کے ستون اور اس کی جڑوں کو مستحکم و مضبوط کرنا ہے اور یہ مقصد استدلال کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا۔ پھر استدلال کے بھی درجات ہیں اور جو استدلال جتنا واضح وسادہ ہوا اتنا ہی مطمئن کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر آزاد فکر انسان ہے تو حکیم صانع پر ایمان لانے کے لئے سادہ استدلال ہی کافی ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۝۳۵

کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہوگئے ہیں۔ یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔ [1]

لیکن دوسو سال سے نئی فکر نے ضمیر کی آزادی اور صفائے قلب کو سلب کر لیا ہے۔ لہٰذا اس دور میں ایسا استدلال ضروری ہے جو جدید افکار، نئی روش وتحقیق اور نافذ و بسیط اور بدیہی ترین دلائل پر مبنی ہو۔ اب میرے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو میں جدید فکر کے طریقوں سے چشم پوشی کر کے انہی لوگوں کے لئے قلم اٹھاؤں جو ابھی تک سادگی، آزادی اور پاک ضمیری کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور سادہ استدلال کو کافی سمجھتے ہیں، تو اس صورت میں اکثر فتاویٰ الواضحہ'' کے قارئین کے لئے عبارت واضح ہوگی۔ یا ان افراد کے لئے خامہ فرسائی کروں جو کہ نئی فکر سے متاثر ہیں یا اسی اساس پر تحقیق کرتے ہیں اور مسائل الٰہیات سے بھی ناآشنا ہیں۔ میری نظر میں دوسرا طریقہ زیادہ شائستہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

اگرچہ میں نے اپنی تحریر کو عام پڑھے لکھے لوگوں پر واضح کرنے کے لئے یا حوزہ علمیہ کے طلبہ کی سطح پر لکھا ہے اور جہاں تک ممکن تھا مشکل اصطلاحات سے احتراز کیا ہے یا بقدر امکان زبان ریاضی سے پرہیز کیا ہے۔ بعض پیچیدہ مسائل کو اختصار کے ساتھ

[1] سورہ الطور: ۳۵

ذکر کیا ہے جن کی تفصیل میں نے اپنی دوسری کتابوں جیسے ''استقرائی منطق کی بنیادیں'' میں بیان کی ہیں اس کے باوجود اس مختصر مقدمہ میں قاری کے لئے یہ ممکن ہے کہ ان مسائل سے متعلق مطمئن کرنے والے فکر واستدلال کا سرمایہ حاصل کر سکے۔

اس رسالہ میں ہم پہلے خدائے حکیم (مرسل) سے متعلق پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گفتگو کریں اور آخر رسالت کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۸۸ [1]

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

---

[1] سورہ ھود:۸۸

خلاصہ اصول دین ﴿۱﴾

المرسل

اللہ سبحانہ وتعالیٰ

خداوند تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ کی صفات

خداوند تعالیٰ پر ایمان

انسان فلسفہ واستدلال کے مرحلہ تک پہنچنے سے پہلے بہت قدیم زمانہ سے خدا پر ایمان رکھتا، اس کی عبادت کرتا اور اسے عیوب سے پاک جانتا ہے اور خدا سے اپنے عمیق ارتباط کا احساس کرتا چلا آرہا ہے۔

یہ ایمان نہ طبقاتی تناقض کی پیداوار ہے اور نہ ظالم استعمار کی ایجاد ہے اور نہ ہی اپنی آزادی کے لئے ستم دیدہ لوگوں کی اختراع ہے، بلکہ خدا پر ایمان ان تناقضات کے وجود میں آنے کے پہلے سے تھا۔

یہ ایمان مادہ وطبیعت کے درمیان ٹکراؤ سے پیدا ہونے والے خوف کی دین بھی نہیں ہے۔ اگر دین خوف کی پیداوار اور رعب کا نتیجہ ہوتا تو ہر زمانہ میں زیادہ تر لوگ دیندار ہوتے کہ وہ زیادہ ڈرتے اور جلد گھبراتے تھے، جبکہ تاریخ میں دین کے علمبردار زیادہ تر نڈر اور باہمت افراد تھے۔

بلکہ اس ایمان کا سرچشمہ انسان کی وہ اصل فطرت ہے جس کا تعلق اپنے خالق سے ہے اور راسخ وجدان اپنی فطرت کے ذریعہ اپنے پروردگار سے انسان کے تعلق کو بخوبی سمجھتا ہے۔

بعد والے زمانوں میں جب انسان فلسفی بن گیا اور اس نے اپنے آس پاس کی چیزوں سے وجودِ عدم وجوب و امکان، استحالہ، وحدت وکثرتِ کائنات میں ترکیب و بساطت جز وکل، تقدم وتاخر اور علت ومعلول کا ایک کلی مفہوم اخذ کیا تو وہ اس بات کی

طرف متوجہ ہوا کہ ان مفاہیم کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے اور میدان استدلال میں ان کی مطابقت اس طرح کی جاسکتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کی بنیاد قائم ہوسکتی ہے اور فلسفی بحثوں کے اسلوب میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے۔

اسرار کائنات میں تجربہ کا کردار

جب علمی مباحث کے میدان میں تجربہ سامنے آیا اور ٹیلی سکوپ اور مائیکرو اسکوپ وغیرہ ایجاد ہوگئے اور مفکرین کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ یہ عام مفاہیم طبیعت میں مادہ کو اس کے قوانین کے انکشاف اور اسرار کائنات کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہیں تو انہوں نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ کائنات کے اسرار و قوانین کو حس و تجربہ ہی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کائنات کے اسرار و قوانین کی تحقیق انہی دونوں کے ذریعہ کی جاسکتی ہے اور یہی حسی و تجربی طریقہ کائنات سے آگاہ ہونے کے لئے عام لوگوں کے لئے مفید ہے اور اس کا دامن بہت وسیع ہے۔

دانشوروں نے اس طریقہ پر بہت زور دیا ہے اور کہا ہے کہ حس و تجربہ ایسے دو آلے ہیں جو اسرار کائنات اور اس کے وسیع نظام کو سمجھنے میں عقل کو مدد دیتے ہیں۔

انسان کو بجائے اس کے کہ یونانی دانشور ''ارسطو'' کے مانند خاموشی سے کمرہ میں بیٹھ کر غور کرے اور اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ ''فضا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والے اجسام قوۃ متحرکہ کے ختم ہوجانے کے بعد ٹھہر جاتے ہیں'' بہتر ہے کہ گلیلیو کے تجربہ پر عمل کرتے ہوئے اجسام متحرک کے بارے میں اپنے تجربات کا مشاہدہ کرے اور ان مشاہدات کی تکرار کرے اور روابط کو نظم دے کر یہ سراغ لگائے کہ اگر کوئی قوتِ متحرکہ کسی جسم کو حرکت میں لائے تو یہ مذکورہ متحرک جسم تب تک سکون میں نہیں آتا جب تک کہ حرکت میں لانے والی قوت کے مقابلے میں اس کو روکنے والی کوئی قوت آکر حرکت دینے والی قوت کے لئے رکاوٹ نہ بن جائے۔

انکشافات اور کائنات کے اسرار تک پہنچنے کے سلسلہ میں دانشوروں کی ہمت

بڑھ گئی چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے دو طریقوں سے کام شروع کیا۔

[۱] مرحلہ حس و تجربہ اور اس کے نتائج۔

[۲] مرحلۂ عقل۔

یعنی نتائج اخذ کرنے اور ان کی ترتیب کا مرحلہ تا کہ ایک کلی اور قابل قبول نظریہ حاصل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی علمی انکشاف میں حسی طریقۂ عقل سے مستغنیٰ نہیں رہا ہے اور کوئی بھی طبیعی سائنٹسٹ عقل کے بغیر صرف حس و تجربہ کے ذریعہ اسرار کائنات میں سے کوئی راز اور طبیعت کے قوانین میں کسی قانون کا انکشاف نہیں کر سکا ہے، کیونکہ مرحلہ اول میں اسے مشاہدات و تجربات حاصل ہوتے ہیں اس کے بعد دوسرے مرحلہ میں وہ اپنی عقل سے ان کا موازنہ کرتا ہے تب کسی نتیجہ تک پہنچتا ہے۔

اورہمیں کوئی ایسی علمی کامیابی نظر نہیں آتی کہ جو دوسرے مرحلہ سے مستغنیٰ ہو اور دونوں مرحلوں سے نہ گزری ہو۔ یعنی پہلے مرحلے کے قضایا محسوس امور ہوتے ہیں اور دوسرے مرحلہ کے قضایا نتائج اخذ کرنے والے امور ہوتے ہیں جنہیں عقل درک کرتی ہے

> مثلاً نیوٹن نے کشش و جاذبہ کی قوت کو صرف حس کے ذریعہ دریافت نہیں کیا اور یہ بھی حس کے ذریعہ معلوم نہ کیا کہ دو جسموں کے مرکزوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہونے سے نتیجہ معکوس ہوتا ہے بلکہ اس نے حس کے ذریعہ معلوم کیا کہ جو پتھر اوپر پھینکا جاتا ہے وہ زمین پر گرتا ہے چاند زمین کے گرد گھومتا ہے اور ستارے سورج کے گرد گھومتے ہیں ان چیزوں کو باہم جمع کیا اور ان پر غور کیا۔

ساتھ ہی زمین پر گرنے والے اجسام کے بارے میں گلیلیو کے اور ستاروں کی

گردش سے متعلق کیلر کے نظریات سے استفادہ کرتے ہوئے اس نے قانون جاذبہ کو دریافت کرلیا۔ ہستی کے نظام سے بحث کے سلسلہ میں یہی حسی اور تجربی طریقہ، نئے نئے انکشافات کے سبب خدا پر ایمان کے سلسلہ میں نئی راہ قائم کرسکتا ہے۔ مادیوں نے اس مسئلہ پر جو ایک اہم فلسفی مسئلہ ہے اور معرفت انسانی کے اہم مسائل میں سے ہے توجہ نہ کی۔ انہوں نے عجلت پسندی میں فلسفی اور منطقی افکار سے الگ اسے سائنسی نقطۂ نظر سے پیش کیا کہ صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے معرفت حس، اور انسان کی شناخت حس کے قلمرو سے باہر نہیں ہے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جو محسوس نہیں ہے اور تجربہ سے باہر ہے اس کا اثبات نہیں کیا جا سکتا۔

انہوں نے اس حسی اور تجربی نظریئے سے خدا پر ایمان والی فکر کو کچلنا چاہا ہے اور یہ کہا ہے کہ جب تک خدا کو محسوس نہیں کیا جائے گا دیکھا نہیں جائیگا اس وقت تک اس کا اثبات بھی نہیں کیا جا سکے گا۔ پس خدا کے اثبات اور اس کے علم کی کوئی راہ موجود نہیں ہے۔ البتہ اس توجیہہ اور حسی نظریہ سے خدا کے وجود کا انکار مادی دانشوروں سے پہلے فلاسفہ نے کیا ہے۔

یہ فلاسفہ تھے اور ہیں جنہوں نے حس و تجربہ کی راہ اپنائی اور اسے خداوند عالم کی نفی اور اپنے غلط اعتقادات کے اثبات میں استعمال کیا۔ چنانچہ یہی غلط افکار تدریجی طور پر تناقضات کا سبب بنے ہیں۔ غلط افکار و نظریات اس حد تک پہنچے کہ فلسفی لحاظ سے بعض واقعی چیزوں کا انکار کرنے پر مجبور ہوئے۔ یعنی اس دنیا ہی کا انکار کردیا جس میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں اور کہنے لگے کہ ہمارے پاس حس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور حس کے ذریعہ صرف اشیا کا علم ہوتا ہے جس طرح وہ ہمیں محسوس کراتی اور دکھاتی ہیں۔ ہمیں ان کا کماحقہ علم حاصل نہیں ہوتا ہے۔ نتیجہ ہوا کہ ممکن ہے ہم کسی چیز کو محسوس کریں اور اپنے احساسات میں اس کے وجود کا ادعان کریں۔ لیکن خارج میں اس کے وجود کے ارتباط کے لئے ہمارے پاس کوئی راستہ نہ ہو۔ مثلاً آپ آسمان پر چاند دیکھتے ہیں تو اس وقت یہ

کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے دیکھا اور آپ اسے محسوس کر سکتے ہیں ۔لیکن کیا درحقیقت آسمان پر چاند ہے؟ اور آپ کے آنکھ کھولنے اور دیکھنے سے پہلے اس کا وجود تھا؟ اس فکر ونظر کے حامل افراد نے یہ محسوس تو کیا لیکن اس کی پیروی نہ کر سکے۔

بالکل ایسے ہی جب ایک احول بھینگے کو ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن کا وجود نہیں ہوتا اور وہ ان کے دیکھنے پر زور دیتا ہے، لیکن ان اشیا کے خارجی وجود کو قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ اسی غلطی کی وجہ سے انہوں نے فلسفی پہلو کو حس سے جدا کر لیا اور اشیا کے خارجی وجود کا انکار کر دیا۔

منطقی اعتبار سے حسی نظریہ

منطق کہتی ہے کہ جس قبضہ کو حس وتجربہ کی رو سے سچا یا جھوٹا نا کہا جا سکے وہ مہمل ہے۔ ان کی مثال پراگندہ حروف تہجی کی سی ہے لیکن جس جملہ ''قبضہ'' کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے وہ بامعنی کلام ہے۔

پس اگر حس سے یہ ثابت ہو کر قضیہ کا مدلول واقع کے مطابق ہے تو وہ قضیہ سچا اور اگر اس کے برعکس ثابت ہو تو جھوٹا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے سردیوں میں بارش ہوتی ہے تو یہ قضیہ بامعنی ہے اور اس کا مدلول سچا ہے۔ اگر یہ کہے گرمیوں میں بارش ہوتی ہے تو یہ قضیہ بھی بامعنی ہے لیکن اس کا مدلول جھوٹا ہے۔ اگر یہ کہے کہ شب قدر میں ایک چیز نازل ہوتی ہے جس کو دیکھنا یا محسوس کرنا ممکن ہے ایک چیز ہے جس کو نہ محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ دیکھا جا سکتا ہے شب قدر میں نازل ہوتی ہے یہ جملہ مہمل ہے چہ جائیکہ اس کو سچا یا جھوٹا کہا جائے۔ کیونکہ حس کے ذریعہ اس کے سچ یا جھوٹ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً یہ کہیں ''دیز'' (ایک مہمل لفظ) شب قدر میں نازل ہوتی ہے یہ دونوں جملے ایک جیسے ہیں بنابرایں اگر آپ کہیں کہ اللہ موجود ہے تو ایسا ہی ہے کہ آپ کہیں ''دیز موجود ہے'' تو جیسے یہ مہمل ہے اسی طرح اللہ موجود ہے۔ بھی مہمل ہے۔ معاذ اللہ کیونکہ حس وتجربہ کے ذریعہ خدا کے وجود کی معرفت ناممکن ہے۔

یہ بظاہر منطقی توجیہ بھی تناقض کا شکار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ منطق کہتی ہے کہ ''ھذا'' اور ''ما'' میں عمومیت ہے جبکہ عمومیت کو حس کے ذریعہ نہیں پہچانا جا سکتا تو مفروضہ کے تحت یہ بھی مہمل ہے پس یہی فکر منطقی جو یہ کہتی ہے کہ ہر وہ جملہ جو حس و تجربہ سے ثابت نہ ہو خود بھی مہمل ہے یہ با قاعدہ تعمیم کو خود بھی شامل ہے کیونکہ تعمیم حس سے تجاوز کرتی ہے اس لئے کہ حس جزئی حالات کو درک کرتی ہے، اس طرح یہ قاعدہ خود اپنے خلاف ہوتا ہے اس قاعدہ کے اندر تناقض ہے اور یہ قاعدہ ان تمام عمومی عملی قواعد کو ملیا میٹ کر دیتا ہے کہ جس کے ذریعہ دانشوروں نے کائنات کے ظواہر کی تفسیر کی تھی۔ اسی لئے تعمیم کا احساس ممکن نہیں ہے بلکہ وقوعوں یا حسی دلائل سے کلی مفہوم اخذ کیا جاتا ہے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ علم نے بھی اپنی ترقی کی راہ میں اس فکر کو اہمیت نہیں دی ہے اور تمام انکشافات کو پہلے حس و تجربہ سے شروع کیا اور اس فلسفی و منطقی پابندیوں سے نکل گیا ہے تا کہ اسرار کائنات کے سلسلہ میں عقل سے کام لے اور مادیت والہیت نیز جدید مٹیر یلزم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حس اسی دائرہ سے باہر نکل جاتی ہے کہ جس میں محدود رہنے کی مادیت دعوت دیتی ہے اور اس بات کو دونوں قبول کرتے ہیں کہ معرفت کے دو مرحلے ہیں۔

[۱] حس و تجربہ کی جمع آوری

[۲] اس کی عقلی ونظری تفسیر

الٰہی و مادی نظریہ میں اختلاف، اس کی تبیین وتفسیر یعنی دوسرے مرحلہ میں ہے مادیت اپنی تفسیر کی بنیاد خدا کے وجود کی نفی پر رکھتی ہے اور الٰہی نظریہ کے معتقد افراد کہتے ہیں کہ ان نتائج کی تفسیر خدائے حکیم پر اعتقاد اور اس کے اقرار کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ذیل میں ہم خالق حکیم کے وجود پر دو طرح کے استدلال وارد کرتے ہیں اور دونوں طریقوں یعنی پہلے مرحلے میں حس و تجربہ کے نتائج سے اور دوسرے مرحلہ میں اس کی عقلی توضیح وتبیین کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جہانِ وجود کا ایک خالق حکیم

ہے۔

[۱] پہلے طریقہ کو دلیل علمی یا استقرائی کہتے ہیں۔

[۲] اور دوسرے طریقہ کو دلیل فلسفی کہتے ہیں۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

وجود خدا کے ثبوت میں علمی استدلال

اب ہم دلیل علمی سے آغاز کرتے ہیں۔ پہلے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ دلیل علمی کا مقصد کیا ہے۔ دلیل علمی وہ دلیل ہے جو تجربہ اور محسوسات پر ٹکی ہو اور اس کا طریقہ وہی استقرائی ہے جو احتمالات پر مبنی ہے۔

اس لحاظ سے جس روش علمی سے ہم خدا کے وجود کے اثبات کے لئے استفادہ کرتے ہیں وہی استقرائی طریقہ ہے جو احتمالات کے حساب پر قائم ہے۔ اس مطلب کی آگے وضاحت کی جائے گی۔

دلیل استقرائی روش احتمالات کی بنیاد پر ہے اور احتمالات پیچیدہ فارمولوں کے حامل ہوتے ہیں جو نہایت دقیق ہیں جس کا مکمل جائزہ کتاب ''اسس المنطقیہ'' میں لیا گیا ہے نظریہ احتمالات کو استدلالات کی سنگلاخ وادیوں سے گزرنے کے بعد سادہ انداز میں ذکر کیا ہے یہاں ایک دوسرا مطلب ذکر کیا جاتا ہے۔

﴿۱﴾ اس طریقہ استدلال کی تعریف جس پر ہم گفتگو کر رہے ہیں اور اس کی مختصر و سادہ وضاحت۔

﴿۲﴾ اس طرز استدلال کی اہمیت اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج پر اعتماد کی حدود البتہ یہ چیز ہم منطقی تحلیل اور منطقی و ریاضی بنیاد پر نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ پیچیدہ چیزوں میں داخل ہونے پر مجبور کرے گا۔ بلکہ جس نہج سے ہم وجود صانع کے

اثبات پر استدلال کریں گے اسے عام لوگوں کے طریقہ کے لحاظ سے پیش کریں گے۔

جس پر ہر صحیح وسالم انسان اپنی روز مرہ کی زندگی میں عمل کرتا ہے، جس سے ہر حقیقت کا اثبات کیا جا سکتا ہے اور علمی وتجربی بحثوں میں جن سے کام لیا جاتا ہے اسی سے وجود صانع پر استدلال کریں گے۔

آنے والی بحثوں سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وجود صانع پر استدلال کا طریقہ یہی ہے کہ جس سے ہم روز مرہ کے اور علمی حقائق کا اثبات کرتے ہیں۔ جب ہم اس سے حقائق کے اثبات پر اعتماد کرتے ہیں تو تمام حقائق کے سرچشمہ وجود صانع کے اثبات کے سلسلہ میں بھی ان پر اعتماد کرنا چاہئے۔

برائے مثال جب آپ کو ڈاک کے ذریعے خط ملتا ہے تو اسے پڑھتے ہی آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ آپ کے بھائی کا خط ہے جب آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر نے بہت سے مریضوں کا کامیاب علاج کیا ہے تو آپ کو اس پر اعتماد ہو جاتا ہے اور اسے ماہر ڈاکٹر سمجھنے لگتے ہیں اور چند مرتبہ پنسلین کے استعمال سے بدن میں خارش کے احساس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ آپ کے بدن میں پنسلین کی وجہ سے خارش ہوئی ہے۔

ان تمام استدلالات کی اساس حساب احتمال و امکان پر ہے اور ان میں استقرار کا طریقہ استعمال ہوتا ہے۔ ایک طبیعات کا ماہر بھی اپنی سائنسی تحقیق پر جب نظام شمسی کے مجموعہ میں بعض معین خصوصیات کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی روشنی میں یہ سمجھتا ہے کہ اس منظومہ کے اجزا سورج ہی کا جزو تھے جو اس سے جدا ہوئے ہیں اور نیچیون ستارہ کو حسی طور سے کشف کرنے سے پہلے اور ٹیلی سکوپ کے ذریعہ اس کی حرکات کو دیکھنے سے پہلے ہی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ شمسی نظام کا جز ہے اور مائیکرو اسکوپ کے ذریعہ الیکٹرون کو دیکھنے سے پہلے ہی اس کے وجود کا یقین کیا جا چکا تھا ان تمام موقعوں پر سائنسدانوں نے درحقیقت اسی دلیل استقرائی کا طریقہ اختیار کیا ہے جو حساب احتمال پر قائم ہے۔

اور وہی طریقہ ہے کہ جس سے ہم خدا کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم طریقہ استقرا کی وضاحت کرتے ہیں جو کہ احتمالات پر قائم ہے اسے پانچ حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

[۱] حس و تجربہ کی دنیا میں ہمارے سامنے بہت سے وقوعے آتے ہیں۔

[۲] ان محسوسات کی جمع بندی کے بعد ان کی تفسیر کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلہ پر ہم ان وقوعوں کی تفسیر کا صحیح فریضہ تلاش کرتے ہیں اور صحیح تھیوری سے مراد ایسا فریضہ ہے جو ان وقوعوں کے مطابق ہو جو یکجا ہونے والے ہیں اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

[۳] یہ دیکھتے ہیں کہ اگر یہ فریضہ صحیح نہ ہو اور حقیقت میں ثابت نہ ہو تو ان وقوعوں کا جمع ہونا فضول ہوگا یعنی اجتماع کی صورت میں ان کا وجود وعدم یکساں ہوگا یا کم از کم ان میں سے ایک کے نہ ہونے سے اس کے نتائج ضعیف ہوں گے جیسے سو یا ہزار میں ایک کا نہ ہونا جو سو یا ہزار کے مجموعہ کو بے اعتبار کر دیتا ہے۔

[۴] ان وقوعوں کے اجتماع سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر ہمارا فریضہ صحیح ہے تو اس کی دلیل وہ وقوعے ہیں جنہیں ہم نے پہلے حصہ میں حس و تجربہ سے دریافت کیا ہے۔

[۵] ان وقوعوں کا اثبات تیسرے حصہ کے مفروضہ کا عکس ہے کیونکہ وہاں ہم نے ان وقوعوں کے وجود کے احتمال اور مفروضہ کے کذب کے فرض پر ان کے عدم کے احتمال کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ یہ نسبت جتنی کم ہوگی اتنا ہی اثبات کا امکان زیادہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات میں اس فریضہ کے صحیح ہونے پر کامل یقین ہو جاتا ہے۔

درحقیقت ان موارد میں احتمال کی قیمت کو پرکھنے کے لئے دقیق معیار موجود ہیں جن کی اساس خود نظریہ احتمال پر ہے۔ انسان عادتاً ان معیاروں اور ضابطوں کو بڑی

حد تک صحیح طور پر کام میں لاتا ہے اس لئے ہم یہاں احتمال کی فطری حیثیت پر اکتفا کرتے ہیں اور اس کو پرکھنے کے لئے منطقی و ریاضی کی پیچیدگیوں میں نہیں جاتے۔

یہ وہ خطوط ہیں جنہیں ہم احتمالات کے حساب پر مبنی ہر استقرائی استدلال میں اپنی روزمرہ زندگی خواہ علمی تحقیق کے میدان میں بروئے کار لاتے ہیں۔

اس طریقۂ استدلال کی اہمیت

ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ قطعیات اور مثالوں کے ذریعہ اس طریقہ استدلال کی اہمیت کو بیان کریں گے چنانچہ اب ہم اپنی روزمرہ کی زندگی کی مثال کے ذریعہ اس کا آغاز کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے یہ مثال پیش کی تھی کہ جب ڈاک کے ذریعہ آپ کو خط ملتا ہے اور آپ اسے دیکھتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ آپ کے بھائی کا خط ہے کسی دوست کا نہیں ہے۔ آپ کا یہ یقین کرنا کہ خط آپ کے بھائی کا ہے کسی اور کا نہیں ہے یہ بھی دلیل استقرائی کے ہی ذریعہ ہے۔ ان احتمالات کی بنیاد پر جس کی آپ کو عادت ہے درحقیقت یہ ایک ایسا قضیہ ہے کہ جس میں طریقہ استقرا کو آپ قبول کر چکے ہیں۔

استدلال کے مراحل

پہلے مرحلہ میں اس خط میں آپ کے سامنے چند وقوعے آئیں گے، جیسے اس پر لکھا ہوا نام، آپ کے بھائی کا نام ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہے، اس کی تحریر آپ کے بھائی کی تحریر ہے، اس پر لکھے ہوئے الفاظ اسی انداز سے لکھے ہوئے ہیں جس انداز میں آپ کے بھائی ''الف''، ''ب''، ''ج''، ''د'' اور ''ر'' لکھتے ہیں اور الفاظ کے نشست اور ان کے درمیان فاصلہ کا بھی وہی اسلوب ہے آپ کے بھائی کو جس کی عادت ہے۔ انداز بیان اور الفاظ کی متانت کا وہی طریقہ ہے جو آپ کے بھائی کا طرز تحریر ہے۔ اس خط میں جو املا کی غلطیاں ہیں اور اس سے جو معلومات کی سطح کا اندازہ ہوتا ہے وہ آپ کے بھائی سے ملتا جلتا ہے جو چیزیں خط میں مرقوم ہیں آپ کے بھائی زیادہ تر ایسی باتیں

کرتے ہیں۔

اسی طرح خط میں جن چیزوں کو طلب کیا گیا ہے آپ کے بھائی کو ان چیزوں کی ضرورت ہے اور انہیں صرف آپ ہی جانتے ہیں یہ جمع آوری بھی ایک قسم کا استقرا ہے۔

دوسرے مرحلہ پر آپ خود سے سوال کرتے ہیں کیا حقیقت میں یہ خط آپ کے بھائی کا ہے یا کسی ایسے آدمی نے بھیجا ہے جو بھائی کا ہمنام ہے؟

یہاں ان وقوعوں کو جمع کرنے کے لئے ایک فرضیہ صحیح ہے اور وہ یہ کہ یہ خط آپ کے بھائی کا ہے تو فطری بات ہے کہ یہ وقوعوں کی جمع بندی کا نتیجہ ہے جیسا کہ پہلے مرحلہ میں تھا۔

تیسرے مرحلہ میں آپ خود سے یہ سوال کرتے ہیں: اگر یہ خط بھائی کا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے آدمی کا ہے تو اس صورت میں زیادہ وقت درکار ہے کہ کیا یہ خصوصیات دوسرے آدمی میں جمع ہوسکتی ہیں؟ یہاں ایسے بہت سے فرضیوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے جو کہ کسی ایسے آدمی کی تشکیل دے سکیں کہ جس کا نام، انداز، تحریر اور املا وانشا کا اسلوب آپ کے بھائی سے ملتا ہو۔ اس اتفاق کا احتمال بہت کم ہے اور ان اتفاقات کا سلسلہ جتنا بڑھتا جائے گا اتنا ہی فرضیہ کا احتمال ضعیف ہوتا چلا جائے گا اور ''اسس المنطقیہ'' میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ احتمال کیسے ضعیف ہوتا ہے۔ جب اتفاقات زیادہ ہو جاتے ہیں تو فرضیہ کا اعتبار بھی کم ہو جاتا ہے۔ استقرا کی تفصیل بیان کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ عام لوگ اسے نہیں سمجھ سکیں گے اور حسن اتفاق دیکھئے کہ بے اعتبار کثیر احتمالات کا فہم وادراک تفصیل پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ بلندی سے انسان کا زمین پر گرنا بھی ثقل وکشش اور اس کے قانون جاذبہ کی گتھیوں کو سمجھنے پر موقوف نہیں ہے اور آپ کے بھائی کے خط والے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ انسان ''اسس المنطقیہ'' پڑھے کہ اس کے ذریعہ احتمالات کے ضعیف ہونے کی تشخیص کر سکے

جیسا کہ ایک بینک کا ملازم اکاؤنٹنٹ بھی استقرا اور حساب احتمال کو جانے بغیر عملی طور پر یہی کام انجام دیتا ہے اور جس کے احتمالات زیادہ ہوتے ہیں اسے بے اعتبار تصور کرتا ہے۔

چونکہ چوتھے مرحلہ میں کسی اور کا خط ہونے کا احتمال بہت ضعیف ہے لہٰذا آپ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ خط آپ کے بھائی کا ہی ہے۔

پانچواں مرحلہ:۔ چوتھے مرحلہ میں ترجیح اس بات کی ہے کہ خط آپ کے بھائی کا ہے اور دوسرا احتمال ضعیف ہے جس طرف کو ترجیح زیادہ ہوگی اس کا مقابل اتنا ہی کمزور ہوگا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ خط آپ کے بھائی کا ہے۔ یہ مثال انسان کے روزمرہ کے حالات کی ہے۔

علمی استدلال کی مثال

جس طریقوں سے دانشور اپنے علمی نظریہ اور اس کے اثبات پر استدلال کرتے ہیں اب ہم انہی کے طرز استدلال کو پیش کرتے ہیں۔ سائنسدان سیاروں اور متحرک ستاروں کے سرچشموں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان نئے ستاروں کا سرچشمہ سورج ہے، یہ دسیوں لاکھ سال پہلے آگ کے شعلے کی طرح اس سے جدا ہو گئے تھے، علم فضا کے ماہرین اصل نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان ٹکڑوں کے سورج سے جدا ہونے کے سبب میں اختلاف رکھتے۔

جس اصل نظریہ پر علم فضا کے ماہرین متفق ہیں اس پر درج ذیل طریقوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔

فضائی علوم کے ماہرین نے ٹیلی سکوپ وغیرہ۔ یعنی حس وتجربہ، کے ذریعہ جن وقوعوں اور مظاہر کا سراغ لگایا ہے وہ اس طرح ہیں:۔

[ا] زمین اسی طرح سورج کے گرد گھوم رہی ہے جس طرح وہ اپنے گرد گھوم رہا ہے یعنی اس کی گردش مغرب سے مشرق

کی طرف ہوتی ہے۔

۲ اور زمین بھی اپنے گرد ایسے ہی گھوم رہی ہے جیسے سورج اپنے گرد گھوم رہا ہے یعنی اس کی گردش بھی مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے۔

۳ اس محور و مدار پر زمین سورج کے گرد گھومتی ہے وہ سورج کے خط استوا کے متوازی ہے اس طرح کہ سورج کی مثال چکی کی کیل جیسی ہے اور زمین کی مثال چکی پر ایک نقطہ کی سی ہے۔

۴ جن عناصر سے زمین بنی ہے وہ تقریباً سبھی سورج میں موجود ہیں۔

۵ عناصر کی کمیت، زمین اور سورج میں یکساں ہے۔ مثلاً ہائیڈروجن دونوں میں اصلی عنصر کی حیثیت سے موجود ہے۔

۶ زمین کی سورج کے گرد گھومنے کی رفتار اور اپنے گرد گھومنے کی رفتار اور سورج کے اپنے گرد گھومنے کی رفتار کے درمیان ایک رابط برقرار ہے۔

۷ علمی تخمینہ کی رو سے زمین اور سورج کی عمر بھی ایک ہی ہے۔

۸ زمین کا اندرونی حصہ گرم ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا میں زمین بہت زیادہ گرم تھی۔

یہ ایسے وقوعے ہیں جن کو سائنسدانوں نے پہلے مرحلہ میں حس و تجربہ سے سمجھا یا محسوس کیا ہے۔

دوسرے مرحلہ میں سائنسدانوں نے ان مظاہر اور وقوعوں کے مجموعے سے ایک فرضیہ قائم کیا ہے چنانچہ اگر یہ فرضیہ واقعاً ثابت ہوتو وہ ان تمام وقوعوں کو بیان

کرے گا اور وہ فرضیہ یہ ہے کہ زمین سورج ہی کا جزو ہے جو بعض اسباب کی بنا پر اس سے جدا ہو گیا ہے۔ اس فرضیہ کی بنا پر ہم گذشتہ وقوعوں کی تفسیر کر سکتے ہیں۔

[۱] سورج کے گرد زمین کی گردش، سورج کی اس گردش کے موافق ہے جو وہ اپنے گرد کر رہا ہے کیونکہ دونوں کی گردش مغرب سے مشرق کی طرف ہے چنانچہ دونوں کی گردش میں ہم آہنگی و توافق ہے اس لئے فرضیہ کا صحیح ہونا واضح ہے کیونکہ اگر کسی گھومنے والے جسم سے کوئی ٹکڑا جدا ہو جائے اور وہ کسی دھاگہ وغیرہ کے ذریعہ اس سے مربوط رہے تو وہ بھی اصل کی گردش کی سمت گردش کرتا ہے۔

[۲] زمین کا اپنے گرد گھومنا سورج کی اپنے گرد حرکت کے موافق ہے۔ یعنی مغرب سے مشرق کی طرف گھومنے والے جسم سے جدا ہونے والا ٹکڑا بھی قانون استمراریت کے تقاضے کے تحت حرکت کر رہا ہے۔

[۳] اسی طرح حرکت وموازات میں۔

[۴] [۵] زمین وسورج کے عناصر میں اتحاد ہے اگر چہ ان دونوں کا مفہوم جدا ہے اور چونکہ زمین سورج ہی کا جزو ہے لہٰذا جزو کے عناصر وہی ہیں جو کل کے ہیں۔

[۶] زمین کی اپنے اور سورج کے گرد اور خود سورج کی اپنے گرد حرکت کی رفتار میں نظم و یکسانیت ہے۔

[۷] زمین اور سورج کی عمر میں مشابہت کی توجیہہ بھی اسی نظریہ سے کی جا سکتی ہے کہ زمین سورج سے جدا ہوئی ہے۔

[۸] زمین کا اندرونی حصہ گرم ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے

کہ ابتدا سے ہی زمین گرم ہے۔

تیسرا مرحلہ:۔اگر ہم یہ فرض کریں کہ زمین کا سورج سے جدا ہونے والا فرضیہ صحیح نہیں ہے تو اس سے یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا یہ وقوعے یہ مظاہر اور نظم سب اتفاقی امر ہے؟ اور ان کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے؟ ان کا کسی قاعدہ وقانون کے بغیر جمع ہونا بعید از عقل ہے اور اس فرضیہ کو رد اور ان وقوعوں کی تفسیر کرنے کے لئے ہمیں بہت سے فرضیے قائم کرنا پڑیں گے۔

مثلاً سورج کے گرد زمین کی حرکت اور خود اپنے گرد سورج کی حرکت......کہ مغرب سے مشرق کی طرف ہے...... میں جو نظم ہے اس کے لئے ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ زمین اس منظومہ شمسی سے بہت دور ایک جرم ہے وہ خواہ جداگانہ طور پر خلق ہوئی ہو یا کسی دوسرے سورج سے جدا ہوئی ہو اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمین آزاد ہونے کے بعد مدار آفتاب میں مغرب کی طرف سے داخل ہوئی اور پھر مشرق کی طرف گردش کرنے لگی اور اگر وہ مدار آفتاب میں مشرق کی سمت سے داخل ہوتی تو اس کی گردش مشرق سے مغرب کی طرف ہوتی اور یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ اپنے گرد زمین کی گردش اور اپنے گرد سورج کی گردش کی باہمی مشابہت اس بنا پر ہے کہ جس سورج سے زمین جدا ہوئی ہے وہ بھی مغرب سے مشرق کی طرف گردش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی سورج کے گرد زمین کی گردش جو خط استوا کے موازی سے اس کے لئے یہ فرض کرنا پڑے گا کہ ایک دوسرا سورج جس سے زمین جدا ہوئی ہے وہ خط استوا شمسی کے عمودی نقطہ پر واقع ہے۔

پھر زمین کے عناصر کی ہم آہنگی اور سینکڑوں عناصر کی نسبت کے لئے یہ فرض کرنا پڑے گا کہ جس آفتاب سے یہ زمین جدا ہوئی ہے اس میں یہی عناصر پائے جاتے ہیں۔ اور اس نظم کی یہ نسبت جو کہ سورج اور خود گردش زمین کی رفتار اور سورج کی اپنے گرد کی رفتار کے بارے میں یہ فرض کرنا ہوگا کہ جس سورج سے زمین جدا ہوئی ہے اسی نے

جدا ہونے والی زمین کو وہ حرکت دی ہے جو ہمارے سورج کی رفتار کے موافق تھی۔ اور جو نظم و یکسانیت زمین و سورج کی عمر میں پائی جاتی ہے اور جو زمین کی حرارت ابتدا ہی سے ہے اس کے پیش نظر یہ فرض کرنا ہوگا کہ زمین کسی دوسرے سورج سے جدا ہوئی ہے جس کی عمر ہمارے سورج کے برابر ہے اور زمین اس سے اس طرح جدا ہوئی کہ اس میں اتنی ہی گرمی موجود تھی جتنی اس سورج میں ہے۔

اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر زمین کے سورج سے جدا ہونے والا فرضیہ صحیح نہیں ہے تو تمام وقوعوں اور مظاہر کو اتفاقی امر فرض کرنا ہوگا جبکہ اس کا احتمال بہت کم ہے حالانکہ صرف اسی سورج سے جدا ہونے والے فرضیہ سے سب کی تفسیر ہو جاتی ہے۔

چوتھے مرحلہ میں یہ کہا جائے گا کہ زمین کے بارے میں ان فرضیوں کا احتمال، اس فرض کی بنا پر کہ زمین اس سورج سے جدا نہیں ہوئی، بہت کم ہے اس بنا پر ان فرضیوں کا فی الحال یہ مقتضا ہے کہ زمین اسی سورج سے جدا ہوئی ہے۔

پانچویں مرحلہ کا ربط زمین کے اس سورج سے جدا ہونے اور زمین پر پائے جانے والے مظاہر کے ضعیف احتمال سے ہے، جیسا کہ چوتھے مرحلہ میں بیان ہوا ہے کہ زمین سورج سے جدا نہیں ہوئی ہے جیسا کہ مرحلہ سوم میں بیان ہوا ہے چنانچہ تیسرے مرحلہ میں جتنا احتمال ضعیف ہوگا اتنی ہی چوتھے کو ترجیح ہوگی اور اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ زمین سورج ہی سے جدا ہوئی ہے۔ مطالب کے اثبات کے لئے اس طریقہ استدلال کو دانشوروں نے قبول کیا ہے اور مکمل طور پر اس سے مطمئن ہو گئے ہیں۔

اس طریقہ سے ہم

وجود صانع کے اثبات پر کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟

اس علمی و عام طریقہ کو بیان کرنے کے بعد جو کہ احتمالات کی بنیاد پر قائم ہے اور دلیل استقرا ہے اور گذشتہ تطبیق کے دوران اس کی اہمیت بھی معلوم ہو چکی ہے۔ اب ہم اثبات صانع پر اسی طریقہ سے استدلال کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں بیان شدہ طریقوں کو اختیار کرتے ہیں۔

﴿الف﴾ طبیعت کے نظام یافتہ مظاہر اور ایک زندہ موجود کی حیثیت سے انسان کی ضرورت کے درمیان اتفاق و سازگاری ہے جس سے انسان کو زندہ رہنے کا امکان میسر ہے اور یہ سازگاری کچھ ایسی ہے کہ اگر ان میں سے کسی نظام میں تغیر ہو تو انسان کی زندگی دشوار ہو جائے بلکہ وہ فنا ہو جائے ذیل میں ان کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

سورج سے جو حرارت زمین کو ملتی ہے وہ ان زندہ موجودات کے لئے کافی ہے، کم ہے نہ زیادہ اور علمی تخمینہ کے مطابق زمین اور سورج کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ اس درجہ حرارت کے مطابق ہے کہ جس میں زمین کے زندہ موجودات زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر یہ فاصلہ زیادہ ہوتا تو زندگی برقرار رکھنے کے لئے ضروری حرارت زمین پر نہیں

پہنچ سکتی تھی اور اگر فاصلہ کم ہوتا تو حرارت اس سے بڑھ جاتی اور وہ برداشت سے باہر ہو جاتی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زمین اور اس کو محیط فضا متعدد اجزا سے مرکب ہے، اس میں آکسیجن کا غلبہ ہے یہاں تک کہ دنیا کے پانی میں آٹھ بٹا دس (8/10) آکسیجن ہے اور مادہ میں آکسیجن کی کثرت کی وجہ سے اس سے ایک جز جدا ہو گیا جو ہوا بنانے میں بہت موثر ہے یہ آکسیجن زندگی کی ضروریات کا جزو ہے کیونکہ تمام زندہ موجودات، جیسے انسان وحیوان، کو سانس لینے کے لئے آکسیجن کی اشد ضرورت ہے، چنانچہ اگر آکسیجن بھی اتنی ہی ہوتی جس قدر دوسرے ترکیبی مواد ہیں تو زندگی محال ہو جاتی۔

آپ آکسیجن کے جدا ہونے والے جز اور انسان کی ساری ضرورتوں کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ کس طرح اس کی ضرورتوں کو کامل کرتا ہے اور اسے عملی زندگی دیتا ہے۔ ہوا میں ۲۱ فیصد آکسیجن اور ۷۹ فیصد دوسری گیسیں ہیں۔ اگر اس سے زیادہ آکسیجن ہوتی تو روئے زمین پر ہمیشہ آگ بھڑکتی رہتی اور اگر مذکورہ مقدار سے کم ہوتی تو زندگی دشوار ہو جاتی اور انسان کو ضرورت بھر حرارت حاصل کرنے کے لئے آگ نہ مل پاتی۔

یہی طبیعی نظام لاکھوں کروڑں بار دہرایا گیا ہے اور ہر مورد میں آکسیجن کی مقدار محفوظ رہتی ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی ہے انسان وحیوان سانس لیتے وقت آکسیجن لیتے ہیں اور اسے خون میں جذب کرتے ہیں اور سارے بدن میں پہنچاتے ہیں۔ یہی آکسیجن کھانے کو جلد ہضم کرتی ہے اور اس سے کاربونک ایسڈ پیدا ہوتی ہے اس گیس کو پھر انسان باہر نکال دیتا ہے۔

ہر ایک فیزیالوجی کے اعتبار اور طبیعت کے دیگر وقوعوں سے ارتباط کی وجہ سے زندگی اور زندگی کو جاری رکھنے میں انسان کی مدد کرتے ہیں۔

مثلاً جو مظاہر بہترین طریقہ سے دیکھنے میں انسان کی مدد کرتے ہیں آنکھ کا عدسہ لینز عکس کو آنکھ کے پردہ (شبکہ) پر پھینکتا ہے۔ آنکھ کا لینز شبکہ (پردہ) پر چیزوں کی

تصویر منعکس کرتا ہے خود یہ پردہ سات تہوں پر مشتمل ہے اور اس کی آخری تہہ استوانہ اور مخروطی شکل کی لاکھوں خلیوں پر مشتمل ہے جو آپس میں ایک منظم صورت میں مرتبط ہیں اور ان خلیوں کا مجموعہ آنکھ کے لینز سے اس طرح مرتبط ہے کہ ایک چیز کو دیکھنے کے وقت ''چیزیں نظر آتی ہیں۔ یعنی ایک چیز جو واقعی باہر موجود ہے اور دوسری اس چیز کی تصویر جو پردہ پر الٹی پڑتی ہے۔ لیکن دیکھنا اس مرحلہ سے مربوط نہیں ہے، بلکہ لاکھوں دیگر عصبی خلیے اس پردے پر پڑی الٹی تصویر کو الٹا یعنی طبیعی کرنے کا کام انجام دیتے ہیں اور اسے حیوان کے دماغ تک منتقل کرتی ہیں اور اس مرحلہ پر دیکھنے کا عمل وجود میں آتا ہے کہ یہ عمل حیوانات کی زندگی کو آسان بنانے میں خاص کردار ادا کرتا ہے۔

یہاں تک کہ مظاہر میں جو حسن و خوبصورتی اور خوشبو ہے وہ بھی دیکھنے میں مدد کرتے ہیں اور اس سے زندگی آسان ہو جاتی ہے مثلاً پھول، کلیاں اپنی زیبائی اور رنگوں کے ذریعہ حشرات کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تاکہ پیوند اور حمل کا کام انجام پذیر ہو جائے۔

اور عام طور پر زوجیت کا عمل اور فیزیالوجی کے نقطہ نظر سے مرد و عورت کے آلہ تناسل میں مکمل تطابق اور حیوانات و نباتات کا اس طرح ہونا جو زندگی کے دوام کا اور طبیعی فعل و انفعالات کا ضامن ہے اور موجودات کی زندگی کو بھی آسان کرتا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے بیشک خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔[۱]

﴿ب﴾ ان طبیعی وقوعوں میں یہ دائمی ارتباطات جو لاکھوں حالات میں زندگی کا تحفظ کرتے ہیں اور زندگی کو آسان بناتے ہیں اس کی توجیہہ اسی فرضیہ سے کی جا سکتی ہے کہ اس ہستی کو بنانے والا ایک حکمت والا ہے اور موجودات کی خلقت کا ایک

---

[۱] سورہ النحل: ۱۸

مقصد ہے اور اس فرضیہ سے ان تمام ارتباطات وموجودات کی توجیہہ کی جا سکتی ہے۔

﴿ج﴾ فرض کیجئے کہ صانع حکیم والا فرضیہ درحقیقت ثابت نہیں ہے تو ان تمام طبیعی وقوعوں کے توافق وارتباطات کے بارے میں جو زندگی کو آسان بنانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں بے مقصد ہیں، کتنے احتمال دیں گے؟ واضح ہے کہ ان سب کے بے مقصد ہونے کے فرضیہ اور گذشتہ مثال میں ان تمام صفات وموارد کی مشابہت کے باوجود آپ کے بھائی کا خط نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بہت بعید ہے کیونکہ ہزاروں صفت میں مشابہہ ہونے والا فرضیہ احتمالات کے اعتبار سے بہت ضعیف ہے، پھر ہم یہ کیسے فرض کر سکتے ہیں کہ جس زمین پر ہم زندگی گزار رہے ہیں اس کے تمام قوانین ونظام بے شعور مادہ کی پیداوار ہیں جبکہ اس میں لاکھوں علامتیں ایسی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کو پیدا کرنے والا با مقصد اور حکمت والا ہے۔

لہٰذا ہم کسی شک وتردید کے بغیر دوسرے مرحلہ میں پیش کئے جانے والے فرضیہ کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ فرضیہ صحیح ہے، یعنی اس جہان کا پیدا کرنے والا حکمت والا ہے۔

﴿د﴾ ہم توحید والے فرضیہ اور ان گھٹتے ہوئے احتمال کے درمیان ایک باریک رابطہ محسوس کرتے ہیں جو کہ تیسرے مرحلہ میں بیان ہوا ہے۔ مسلسل حوادث و اتفاقات کی بنا پر تیسرے مرحلے کا احتمال بہت زیادہ ضعیف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ فرضیہ علمی قوانین کے تحت ان وقوعوں کے اچانک اور اتفاقی ہونے کو نہیں بیان کر سکتا۔ پس یہ احتمالی فرضیہ قابل اعتماد نہ ہوگا۔ بلکہ وجود صانع والے فرضیہ کا احتمال قوی ہو جاتا ہے جو کہ ساری کائنات وآیات توحیدی کی قطعی دلالتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کو پیدا کرنے والا حکمت والا ہے اور اس چیز پر کائنات کا ذرہ ذرہ دلالت کر رہا ہے۔

ہم عنقریب اپنی آیتوں کو تمام اطراف عالم میں اور خود ان کے

اندر دکھلائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے اور پروردگار کے لئے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا گواہ اور سب کا دیکھنے والا ہے۔[1]

''بے شک زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور رات دن کے آنے جانے اور ان کشتیوں میں جو کہ دریا میں چلتی ہیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا ہے اور اس زمین میں ہر قسم کے چوپائے بسانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور زمین و آسمان کے درمیان مسخر کئے جانے والے بادلوں میں صاحبان عقل کے لئے اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔[2]

''پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھو کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے اس کے بعد بار بار نگاہ ڈالو دیکھو نگاہ تھک کر لوٹ آئے گی لیکن کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔''[3]

[1] سورہ فصلت: ۵۳

[2] سورہ البقرہ: ۱۶۴

[3] سورہ ملک: ۵

دلیل فلسفی

وجود خدا پر دلیل فلسفی کے معنی:۔

اثبات صانع پر دلیل فلسفی والی بحث کو شروع کرنے سے قبل ضروری ہے کہ ہم یہ بتا دیں کہ دلیل فلسفی کیا ہے؟ اس کے اور دلیل علمی کے درمیان کیا فرق ہے اور دلیل کی کتنی قسمیں ہیں؟

دلیل کی قسمیں:

دلیل کی تین قسمیں ہیں۔

﴿۱﴾ دلیل ریاضی۔
﴿۲﴾ دلیل علمی۔
﴿۳﴾ دلیل فلسفی۔

دلیل ریاضی:

دلیل ریاضی وہ دلیل ہے جو ریاضیات اور منطق صوری کے میدان میں کام آتی ہے۔ یہ دلیل ہمیشہ اصل عدم تناقض، یعنی تناقض محال ہے پر قائم ہے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ ''الف'' وہی ''الف'' ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ ''الف،''الف'' نہ ہو اور جو دلیل بھی عدم تناقض پر استوار ہوتی ہے اسے دلیل ریاضی کہتے ہیں اور اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

دلیل علمی:

یہ دلیل علوم طبعیہ میں استعمال ہوتی ہے۔ یہ دلیل ان معلومات پر مستند ہوتی ہے جو کہ حس وعلمی استقرا کے ذریعہ دلیل ریاضی کے مبادی کے پیش نظر ثابت ہوتے ہیں۔

دلیل فلسفی:

یہ دلیل معلومات عقلیہ کی مدد سے عالم خارج میں کسی امر کو ثابت کرتی ہے۔ معلومات عقلیہ وہ معلومات ہیں جن میں حس وتجربہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ مبادی دلیل ریاضی کے پیش نظر عمل کرتی ہے۔ البتہ یہاں مقصد یہ نہیں ہے کہ دلیل فلسفی حسی اور استقرائی معلومات کا سہارا نہیں لیتی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ صرف حسی معلومات پر اکتفا نہیں کرتی ہے بلکہ اس اعتماد کے پہلو بہ پہلو یا مستقل طور پر اس سے علیحدہ ہو کر معلومات عقلیہ پر تکیہ کرتی ہے اور پھر کسی قضیہ کا اثبات کرتی ہے۔

پس دلیل فلسفی اور دلیل علمی کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ دلیل فلسفی مبادی دلیل ریاضی کے قلمرو سے باہر بھی پائی جاتی ہے یعنی دلیل ریاضی سے اعم ہے۔ دلیل فلسفی کا جو مفہوم ہم نے پیش کیا ہے اس کی رو سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا معلومات عقلیہ پر جو کہ حس واستقرا کے بغیر عقل کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔؟

اس کا جواب مثبت ہے، کیونکہ بعض عقلی معلومات جن کو سبھی قبول کرتے ہیں جیسے عدم تناقض کہ جس پر سارے ریاضیات کی بنیاد استوار ہے، عقل کی اساس پر ہمارے لئے روشن وواضح ہے نہ کہ حس وتجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ استقرائی دائرہ میں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اصل عدم تناقض کے سلسلہ میں ہمارا اعتقاد تجربہ وشواہد سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔ اپنی بات کو واضح کرنے کے لئے ہم ریاضی کا ایک فارمولہ پیش کرتے ہیں۔4=2+2 ''دو جمع دو برابر'' چار ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ سادہ ریاضی کا

فارمولہ صحیح ہے شواہد کے ذریعہ اس میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی اسے رد کرنے کے لئے شواہد پیش کرے گا تو ہم اس کی بات پر کان بھی نہیں دھریں گے اور کبھی بھی اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ 2x2=3 دوضرب دو برابر تین یا 2x2=5 دوضرب دو برابر پانچ ہوتے ہیں یہ دوضرب دو برابر چار کے سلسلہ میں ہمارا اعتقاد ہے اس کا حس وتجربہ سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ اثبات ونفی کی دلیل سے ضرور متاثر ہوتا۔

اب جبکہ ہم اس حقیقت پر اس قدر اطمینان و اعتماد رکھتے ہیں باوجود یہ کہ اس فارمولہ کا احساس وتجربہ سے کوئی تعلق نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ان عقلی معلومات پر اعتماد ممکن ہے جو کہ فلسفی دلیل پر تکیہ کئے ہوئے ہیں۔

بہ عبارت دیگر دلیل فلسفی کو ہم محض اس لئے رد کر دیں کہ اس کی بنیاد عقلی معلومات ہیں اور تجربہ واستقرا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہم دلیل ریاضی کو ٹھکرا دیں کیونکہ اس کی اساس اصل عدم تناقض پر ہے اور تجربہ واستقرا سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔

اثبات صانع پر دلیل فلسفی کے چند نمونے

یہ دلیل درج ذیل تین قضیوں پر مبنی ہے۔

﴿۱﴾ ہر حادثہ کا کوئی سبب ہوتا ہے جس سے وہ وجود میں آتا ہے اس قضیہ کو انسان فطری شعور سے سمجھ لیتا ہے اور استقرار علمی ہمیشہ اس کی تائید کرتا ہے۔

﴿۲﴾ جس موجود میں بھی کمال ونقص کے لحاظ سے درجات پائے جاتے ہیں اس میں ناقص درجہ کامل درجہ کا سبب نہیں بن سکتا ہے اور نہ ہی نچلا درجہ بلند درجہ کا سبب قرار پا سکتا ہے حرارت کے درجات ہیں۔ اسی طرح شناخت و معرفت کے بھی درجات ہیں اسی طرح نور کے بھی درجات ہیں، بعض بعض سے بہت شدید ہے، کم درجہ و حرارت درجہ بالا کے لئے سبب نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی شخص ایسے آدمی سے پوری انگریزی سیکھ سکتا ہے جو انگریزی کی تھوڑی سی سدبدھ رکھتا ہے یا بالکل نہیں جانتا اور نہ کم درجہ کا نور

بڑے درجہ کا نور لا سکتا ہے کیونکہ ہر کمال اور بلند درجہ زیادہ نور و کمال رکھتا ہے جو کہ نچلے درجہ والے کے پاس نہیں ہوتا اور کم والا دوسرے کو نہیں دے سکتا جو خود ہی تہی دامن ہے وہ دوسرے کو کیا دے سکتا ہے۔

﴿۳﴾ مادہ اپنے مستقل ارتقا یا انقلاب کی وجہ سے مختلف شکلیں اختیار کرتا رہتا ہے ان صورتوں کے بھی درجات ہوتے ہیں مثلاً خالص پانی کا قطرہ وجود مادہ کی ایک صورت ہے جس میں حس اور جان نہیں ہے اور اس سے بلند و بالا صورت ''پروٹو پلازم'' ہے جو کہ نباتی اور حیوانی مادہ ہے۔ ایسا ایک خلیہ والا جانور ہے جو خوردبین ہی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ مادہ کی ترقی کی دوسری شکل ہے اور یہ زندہ، حساس و مفکر انسان اس عالم کے موجودات کی اعلیٰ قسم ہے۔

مادہ کی گونا گوں صورتوں اور شکلوں کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان صورتوں اور شکلوں کے درمیان کیا کمی وعددی فرق ہے؟ یعنی ایک صورت میں زیادہ عناصر ہیں اور دوسری صورت میں کم عناصر ہیں اور ان کے درمیان میکانیکی ربط ہے یا ان کے درمیان نوعی و کیفی فرق ہے؟ یعنی ارتقا و تکامل سے موجودات متفادت ہو جاتے ہیں۔

بہ عبارت دیگر انسان اور اس خاک کے درمیان جس سے وہ وجود میں آیا ہے۔ صرف کمی یا مقداری فرق ہے یا ارتقا و تکامل کے درمیان فرق ہے جیسے کم اور شدید روشنی کے درمیان فرق ہے۔

جس زمانہ سے انسان کے سامنے یہ سوال آیا ہے اسی وقت سے اس کی فطرت نے گواہی دی ہے کہ گونا گوں شکلیں وجود کے درجات اور تکامل کے مراحل کی وجہ سے ہیں۔ اس لحاظ سے حیات مادہ کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہ درجہ محدود نہیں ہے بلکہ اس کے بھی درجات ہیں جب بھی حیات نیا مفہوم اختیار کرتی ہے بڑا درجہ شمار ہوتا ہے اس اعتبار سے ایک زندہ موجود جو کہ حس و فکر کا حامل ہے، درجہ نبات سے بڑا اور غنی ہے۔

کائنات کی مادی تفسیر

سو سال سے پہلے مادی مفکرین نے اس کی مخالفت کی اور اس سے بچنے کے لئے انہوں نے کائنات کی میکانیکی طریقہ سے تفسیر کی اور کہا خارج میں جو دنیا ہے یہ چھوٹے چھوٹے مماثل و یکساں اجسام سے بنی ہے ان اجسام پر عام قوانین جیسے قوت جاذبہ و دافعہ اثر انداز ہوئے اور اجزا عالم کی جمع و تفریق کی بنا پر مادہ مختلف صورتوں میں ڈھل گیا ہے، اس بنیاد پر مادہ پرستوں نے اجسام کی حرکت اور فضا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو میکانیکی طریقہ میں منحصر جانا ہے اور مادہ کی گوناگوں صورتوں کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ اجسام کے جمع ہونے اور متفرق ہونے کی متعدد راہیں ہیں۔ ان میں اور کسی چیز کا دخل نہیں ہے۔ مادہ پرستوں کے لحاظ سے مادہ خود اپنے وجود میں نمو نہیں کرتا ہے اور نہ اس میں ارتقا ہے، بلکہ یہ ذرات کی گوناگوں صورتوں کی جمع و تفریق ہے بالکل ایسے ہی جیسے موم کا ٹکڑا کہ اسے مختلف صورتوں میں ڈھالا جا سکتا ہے خود اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوگا وہ موم ہی رہے گا۔

یہ فرضیہ علم میکانیکی یا علوم طبیعی میں سے اولین علم کی پیداوار ہے۔ اسی فرضیہ سے اس کا ارتقا شروع ہوا ہے پھر اس سے علمی طریقوں سے بحث کی جانے لگی۔ چنانچہ اجسام کی عام حرکت میں میکانیکی حرکت اور فضا میں ستاروں کی حرکت اس کے اسباب کو ظاہر کرتی ہے۔

کائنات کی میکانیکی تفسیر نہیں کی جا سکتی

علم کی مسلسل ترقی اور دیگر میدانوں میں علمی بحث کے بڑھتے ہوئے طریقوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ فرضیہ غلط ہے اور یہ تمام حرکتوں کی تفسیر کرنے سے قاصر ہے اور دوسری طرف یہ ثابت کیا کہ یہ فرضیہ اجسام کے ضمن میں مادہ کی مختلف شکلوں اور ان کی نقل و حرکت کی میکانیکی تفسیر نہیں کر سکتا۔ علم نے بھی فطرت انسانی کی اس سلسلہ میں

تصدیق کی ہے کہ مادہ کی گونا گوں شکلیں بھی نقل و انتقال سے مربوط نہیں ہیں بلکہ یہ تحول نوعی اور تنوع کیفی ہے اور علمی تجربات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عناصر کی عددی ترکیب سے حیات احساس اور فکر وجود میں نہیں آسکتی بلکہ فکر و احساس مادہ کی ترقی و تکامل کا نتیجہ ہے خواہ اس ارتقا و تحول کا محتویٰ مادی ہو یا مادی نہ ہو۔ اس سلسلہ میں تین قضیے ملاحظہ فرمائیں۔

[۱] ہر وقوعہ سبب کا محتاج ہے۔

[۲] ادنیٰ اپنے سے بڑے کے لئے سبب نہیں بن سکتا۔

[۳] اس کائنات میں درجاتِ وجود میں اختلاف اور اشکال کا گونا گوں ہونا کیفی لحاظ سے ہے۔ ان تینوں قضیوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہانِ ہستی میں گونا گوں صورتیں اور متنوع شکلیں مادہ کے نمو اور اس کے تکامل کی بنا پر ہیں۔ تو ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ مادہ میں یہ اضافہ کہاں سے ہوا ہے اور اس کا سبب کیا۔

کیا تم نے اس دانہ کو دیکھا ہے جو زمین میں بوتے ہو۔ اسے تم اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں؟

اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾

کیا تم نے اس آگ کو دیکھا ہے جسے لکڑی سے نکالتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ [۱]

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں خاک

[۱] سورہ واقعہ ۷۱، ۷۲

سے پیدا کیا ہے اور اس کے بعد تم بشر کی صورت میں پھیل گئے۔ [1]

اس دلیل کے مقابلہ میں مادہ پرستوں کا موقف

اب ہم اس دلیل کے مقابلہ میں مادہ پرستوں کا موقف بیان کرتے ہیں۔قدیم وجدید مادہ پرستوں کے نظریہ میں اختلاف ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قدیم مادہ پرست اس بات کے قائل تھے کہ جہان ہستی میں میکانکی حرکت ہے وہ حیات واحساس اورفکرکو مادہ کی جمع وتفریق کی مختلف صورت سمجھتے تھے۔ مادہ سے کوئی نئ چیز وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔لیکن نئے مادہ پرست جہان ہستی میں نوعی وکیفی تکامل وارتقا کے قائل ہیں۔ انہوں نے دوسرے طریقہ سے اس کی تفسیر کی ہے اور دوسرے فرضیہ نیز مادہ پر اکتفا کرنے کوجمع کیا ہے۔یعنی خود مادہ کوتمام کیفی ونوعی تحولات کا مصدر جانا ہے۔مثلاً ادنیٰ شئے بلند واعلیٰ شئے کا سبب ہوتی ہےلیکن خارج سےنہیں بلکہ اندر ہی سے۔ یہ اسی گذشتہ مثال کی طرح ہے کہ ایک فقیر سرمایہ داری کے منصوبے بنائے وہ کہتے ہیں کہ مادہ کے تمام گونا گوں تحولات اور ارتقا کا سرچشمہ خود مادہ کے اندر ہے، جیسے چوزہ مرغی کے انڈے میں موجود ہے اور پانی میں گیس موجود ہے۔

لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں مادہ انڈا بھی ہو اور مرغ بھی، پانی بھی ہو اور گیس بھی، اس کا جواب مادی جدلیت کی طرف سے یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

''یہ تناقض ہے اور تناقض طبیعت کا عام قانون ہے''

ہر چیز کی ضد ونقیض اس کے اندر موجود ہے اور وہ اپنی نقیض سے مسلسل برسر پیکار رہتی ہے اور دونقیضوں کے ٹکراؤ سے مادہ میں ایک انقلاب آتا ہے جیسے انڈا معین وقت پر پھٹتا ہے اور اس کے اندر سے چوزہ نکل آتا ہے اسی طرح مادہ مسلسل ترقی

---

[1] سورہ الروم:۲۰

کر رہا ہے کیونکہ مادہ کے اندر سے پیدا ہونے والی نقیض کے بعد بھی اس ٹکراؤ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس سے دوسری نقیض وجود میں آتی ہے اور اس طرح مادہ ترقی کرتا رہتا ہے۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس جملہ سے کہ ہر چیز کے اندر اس کی نقیض موجود ہے۔ نئے مادہ پرستوں کی مراد کیا ہے؟ اور درج ذیل معنی سے ان کی مراد کیا ہے؟۔ کیا انڈا اور چوزہ ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔؟

[۱] کیا ان کی مراد یہ ہے کہ انڈا چوزہ کو وجود دیتا ہے اور اسے صفات حیات دیتا ہے، یعنی بے جان چیز سے جاندار وجود میں آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے قلاش سرمایہ کاری کرے جبکہ یہ بات گذشتہ بدیہی چیزوں کے خلاف ہے۔

[۲] یا ان کی مراد یہ ہے کہ انڈا چوزہ کو وجود نہیں دیتا ہے بلکہ وہ انڈے کے اندر ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ہر چیز کی نقیض بھی اس کے اندر موجود ہو۔ پس جس وقت انڈا ہوتا ہے اسی وقت وہ چوزہ بھی ہوتا ہے بالکل اس صورت کی مانند جو ایک طرف سے ایک شکل میں اور دوسری طرف دوسرے انداز میں نظر آتی ہے۔

واضح ہے کہ جب ایک وقت میں انڈا چوزہ ہوگا تو پھر کوئی تکامل اور نمو بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے ایک شخص اپنے جیب سے کچھ سکے نکالے۔ اس کام سے اس پونجی میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، کیونکہ جو پونجی اب اس کے ہاتھ میں ہے وہ پہلے اس کی جیب میں تھی اس میں تکامل ونمو نہیں ہے۔ حالانکہ انڈے کے اندر سے ایک نئی چیز چوزہ کی شکل میں نکلتی ہے تو اس صورت میں ہمیں اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ انڈہ چوزہ نہیں ہے اور ایک ہی زمانہ میں انڈہ بھی ہو اور چوزہ بھی یہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ انڈہ اور چیز ہے کہ جس کے اندر چوزہ بننے کی صلاحیت ہے اور انڈے کی صورت کے پتھر اور انڈے کے درمیان یہ فرق ہے کہ پتھر میں چوزہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے جبکہ انڈے میں مخصوص شرائط کے ساتھ چوزہ بننے کی صلاحیت ہے وہاں امکان اور وقوع کے

درمیان ایک فرق ہے صرف امکان ہی کافی نہیں ہے جو اس کے معنی کی وضاحت کر سکے۔

جدید علم اور مادی تفسیر کے درمیان تنافی

دوسری طرف اگر مادہ کی مختلف شکلیں اس کے داخلی تناقضات کا نتیجہ ہیں تو ضروری ہے کہ ان مختلف شکلوں کی تفسیر ان ہی داخلی تناقضات کی اساس پر ہونی چاہئے۔ مثلاً انڈے میں خاص قسم کے تناقضات ہیں جو پانی کے تناقضات سے مختلف ہیں، لہٰذا انڈے کے اندر کے تناقضات سے چوزہ اور پانی سے گیس وجود میں آتی ہے اس فرضیے سے مادہ کی مختلف صورتوں کے بعد کے مراحل سے ان اجسام کے بارے میں جو خود اساسی اعداد رکھتے ہیں یعنی پروٹون، نیوٹرون اور الیکٹرون، تشکیل دیتے ہیں۔ بحث و تحقیق کی جا سکتی ہے۔ کیا ان مواد کے درمیان پایا جانے والا داخلی تضاد ان شکلوں میں سے کوئی مخصوص شکل قبول کرتا ہے؟ مثلاً پروٹون جو مادہ کے شکم میں موجود ہے کیا وہ بھی انڈے کی مانند ہے؟ اور دوسرے پروٹون کو جنم دیتا ہے؟ حالانکہ گوناگوں صورتوں کے فرضیہ کو مختلف داخلی نظام کی پیداوار ہونا چاہئے جبکہ جدید علم کہتا ہے کہ مادہ ایک ہے یعنی مادہ کا محتویٰ ایک ہے اور یہ صورتیں مادہ کے مختلف حالات کا نتیجہ ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ پروٹون نیوٹرون اور بنوٹرون، پروٹون میں بدل جائے۔ اس بات کو انڈے کا مرغ بن جانا بخوبی واضح کرتا ہے۔ مثلاً صورتوں کے تنوع کے لئے چند انڈے لیں، داخلی تناقضات کے فرضیہ کے لحاظ سے اسے ترکیب کے لحاظ سے مغائر ہونا چاہئے، جیسے پرندے کے انڈے اور مرغ کے انڈے سے دو مختلف شکل کے چوزے نکلتے ہیں یعنی مرغ کا انڈہ چوزے میں اور کبوتر کا انڈہ کبوتر میں بدل جاتا ہے۔

لیکن جب ہم مرضی کے دو انڈے مرغی کے نیچے رکھتے ہیں تو اس وقت ان کا داخلی تناقض ان کے اختلاف کا باعث نہیں ہو سکتا اور جدید علم کی یہ تاکید کہ کائنات ایک مادہ سے وجود میں آئی ہے ڈائلکٹک اور درونی تناقض سے کوئی ہم آہنگی نہیں رکھتی ہے۔

[۳] یا یہ کہ جدید مادہ پرستوں کا مقصد یہ ہے کہ مرغی کا انڈہ اور مستقل

نقیضوں اور دوضدوں سے گزرتا ہے یعنی پہلی ضد سے گزرتا ہے پھر دوسری ضد سے، پھر دوضدوں میں سے ایک مادہ میں ظاہر ہوتا ہے اور دوسری چھلکے میں رہ جاتی ہے اور اس کشمکش کے نتیجہ میں ایک غالب آجاتی ہے اور نطفہ چوزہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

اضداد کے درمیان ایسی جنگیں ہوتی رہتی ہیں یہ متداول اور مانوس ہیں، تصورات عادی میں بھی اور تصورات فلسفی میں بھی لیکن ہم اس تفاعل کو، جو نطفہ اور اس طبیعی مواد کے درمیان ہوتا ہے کہ جس سے مرغ بنتا ہے، تناقض ہی کا نام کیوں دیں اور اسی طرح دانہ اور زمین کے درمیان جو فعل وانفعال ہے، اسے تناقض ہی کیوں کہا جائے۔ اسے تناقض کا نام دے دیا جائے تو بھی اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے یعنی وہی تکامل ونمو کا عمل انجام پائے گا اور تکاملی حرکت میں نیا اضافہ اپنی جگہ باقی ہے پھر بھی ہمارے اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ یہ اضافہ کہاں سے آیا ہے۔ خود ضد میں یہ چیز نہیں تھی اور دوسرے قضیہ کے خلاف ہے کیونکہ فاقد الشی معطی شی نہیں ہوسکتی۔

اس سے قطع نظر کیا طبیعت میں ہمیں کوئی ایسی چیز مل سکتی ہے کہ جس میں اضداد کی کشمکش رشد ونمو نہ کا حقیقی عامل ہو اس کے برخلاف کشمکش اور تضاد نقص کا سبب ہے یعنی اس سے مقابلہ والی طاقت گھٹ جاتی ہے اور دوسری طاقت کا اضافہ نہیں ہوتا ہے اور اگر اضداد کے درمیان کی کشمکش نمو وتکامل کی اساس ہے جیسا کہ انڈے اور مرغ کے بارے میں کہا جاتا ہے تو پھر وہ اضافہ اور نمو کہاں ہے جو کہ پانی اور گیس کی کشمکش سے دوبارہ پانی بن جانے میں تھا، وہاں تکامل کیوں نہیں ہے؟

طبیعی حوادث اس بات کو روشن کرتے ہیں کہ اضداد کا ٹکراؤ تکامل کا سبب نہیں بنتا بلکہ کبھی دوضدوں کے نابود ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

مثلاً پروٹون جو کہ مثبت طاقت کے حامل ہوتے ہیں اور وہ الیکٹرون جو کہ منفی طاقت رکھتے ہیں ان کے ذرات کا ایک حصہ ٹکراؤ یا رگڑ سے ختم ہوجاتا ہے تب فضا میں روشنی پھیلتی ہے یا کوئی چیز چلتی ہے۔

مختصر یہ کہ مادہ خارج سے مدد حاصل کئے بغیر نمو نہیں کر سکتا اور مادہ کے ایک صورت سے بہتر صورت اختیار کرنے کے سلسلہ میں ہم یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ مادہ میں چونکہ رشد و نمو ہے اس لئے وہ حیات، احساس اور فکر کی منزل تک پہنچنے میں اس پروردگار کا محتاج ہے جو ان خصوصیات و امتیازات کا مالک ہے۔ اور ان سے مادہ کو نواز سکتا ہے۔ مادہ کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ نمو کے لئے تگ و دو کرے وہ صرف تیاری اور آمادگی کر سکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ایک طالب علم استاد کے سبق کو سمجھنے کے لئے آمادہ ہے وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے استاد سے حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات

جب ہم اس بات سے متعلق آگاہ ہوگئے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور اس کی پرورش کرنے والا خدا ہے جو کہ حکمت والا اور علم والا ہے تو واضح ہے کہ اسکی ایجاد و کرشمہ سازی اس کی صفات کی معرفت حاصل کریں اور اس کی مخلوقات کے ذریعہ اس کی عظمت کا سراغ لگائیں۔ جیسا کہ ہم ایک انجینئر کی قدر و قیمت کو اس کی بنائی ہوئی عمارتوں سے سمجھتے ہیں اور کسی مولف کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کی تالیف سے لگاتے ہیں اور کسی مربی کو اس کے تربیت کردہ افراد کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اسی طریقے سے ہم اس عظیم کائنات کے پیدا کرنے والے کے صفات یعنی اس کے علم، حکمت، حیات اور اس کے سمیع و بصیر ہونے کو سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کائنات میں اس کی ایجاد اور نظام میں جو ریزہ کاری ہے اس سے اس کے موجد کے علم و حکمت کا پتہ چلتا ہے اور ذرہ کے سینہ میں جو تب و تاب ہے وہ اس کی قدرت کا واضح ثبوت ہے اور موجودات میں جو عقلی و حسی ادراک کے درجے اور زندگی کی مختلف صورتیں ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا بھی حیات و ادراک سے مالا مال ہے اور کائنات میں جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ اس کی وحدانیت پر دلیل ہے۔

عدل و استقامت

ہم میں سے ہر ایک اپنی فطری عقل سے...... افعال کی قدر و قیمت کو جانتا

ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ عدل حق ہے اور اچھا ہے ظلم باطل ہے اور شر ہے جو عدل سے کام لیتا ہے وہ قابل احترام ہے اور اسے اجر وثواب ملنا چاہئے اور جو ظلم وزیادتی کرتا ہے وہ ذلیل ہے اور اسے سزا ملنی چاہئے اور یہ قدر و قیمت اس استقرا اور فطرت کے مطابق ہے کہ اگر جہالت اور مفاد پرستی اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں تو وہ سچ کو جھوٹ پر اور امانت کو خیانت پر ترجیح دیتی ہے، یعنی اگر آدمی شخصی اغراض، شیطانی وسوسوں اور ظلم وخیانت سے پاک ہو تو صدق و امانت اور عدالت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اگر ہم اس قانون کی ذات احدیت پر تطبیق کریں جو کہ صفات کمال کا مالک ہے، جس کی قدرت لامحدود ہے اور جو کسی کا محتاج نہیں ہے تو ہماری عقل اور ہمارا ضمیر یہی کہے گا کہ وہ عادل ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اور یہی عقل و فطرت ہمیں، عدالت، استقامت، صداقت اور وفا جیسی نیک صفات کی طرف بلاتی ہے اور ان کی مخالف صفات، جھوٹ اور بے وفائی سے روکتی ہے اور نیک صفات کے لئے نیک جزا اور ناپسندیدہ صفات پر سزا کا تقاضا کرتی ہے یا یہ کہتی ہے کہ عادل و امین آدمی جس نے عدالت و امانت داری کے سلسلہ میں فداکاری کی ہے اجر وثواب کا مستحق ہے اور ظالم و سرکش سے باز پرس ہونی چاہئے اور اسے سزا ملنی چاہئے۔

قیامت کے دن جزا

جب ہم اس بات کے معتقد ہو گئے کہ خدا عادل ہے اس کے کام عدالت کی بنیاد پر انجام پذیر ہوتے ہیں اور وہ مناسب جزا وسزا دینے پر قادر ہے اور اس سلسلہ میں اس کے حکم کو کوئی نہیں روک سکتا ہے تو واضح ہے کہ خدائے عادل نیک اعمال انجام دینے والوں کو جزا دینے پر قادر ہے لہٰذا وہ انہیں جزا دے گا اور ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا۔

باوجود یہ کہ خدا عادل و قادر ہے لیکن اس دنیا میں بہت سے اعمال کی نہ جزا دیتا ہے نہ سزا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے حق وعدالت کے سلسلہ میں فداکاری کی لیکن

اس دنیا میں انہیں ان کے اس نیک کام کا کوئی اجر نہیں ملا اور بعض ظالم ہیں کہ جنہوں نے قتل و غارتگری اور عصمت دری کی اور دوسروں کا مال لوٹا اور انہیں کوئی سزا نہ ملی اور یہ چیز عدالت کے خلاف ہے۔ پس کوئی مستقبل موجود ہے جہاں اسے اس کا پھل ملے گا اور وہی قیامت ہے، اس دن اعمال کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے گی۔ اگر قیامت نہ ہوتی تو اعمال کی قدر و قیمت معلوم نہ ہوتی۔

خلاصہ اصول دین ﴿۲﴾

الرسول

تمہید

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ثبوت

اجتماعی اور فردی مصالح میں ٹکراؤ

مقصد خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا بلکہ ہر انسان اپنے مقاصد کو اپنی مصلحت اور ضرورتوں پر تطبیق کرتا ہے ان ضرورتوں کو ماحول اور زمان و مکان بھی انسان کے لئے معین کرتے ہیں لیکن جو عوامل انسان کو مقصد کی طرف لے جاتے ہیں، ان کی مثال اس ہوا کی سی نہیں ہے کہ جو درخت کے پتوں کو حرکت دیتی ہے۔ بلکہ یہ تحریک مصالح کے ادراک سے معین وقت میں ہوتی ہے۔

مصالح کی دو قسمیں ہیں

﴿۱﴾ وہ مصالح جن کا فائدہ انسان کو تھوڑی سی منزل طے کرنے کے بعد ہی مل جاتا ہے، جیسے انسان کسی کے لئے کام انجام دیتا ہے۔

﴿۲﴾ وہ مصالح ہیں جن کے لئے طولانی سفر طے کرنا ہوتا ہے اور ان کا فائدہ سماج کو پہنچتا ہے۔ اکثر ان دونوں مصلحتوں میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ یعنی اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان سماجی مصلحتوں کے اقتضا کے مطابق کام نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے نجی و شخصی فائدہ کے لئے کام کرتا ہے۔ جبکہ لوگوں کی اجتماعی زندگی میں اسی وقت سدھار آ سکتا ہے جب سبھی مصالح اجتماع کے لئے کام کریں، اس موقعہ پر اجتماعی اور فردی مقاصد میں تناقض ظاہر ہو جاتا ہے بلکہ فرد و اجتماع کے منافع کے درمیان ہمیشہ کشمکش رہتی ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہمیں ایک راستہ تلاش کرنا چاہئے تا کہ انسان فردی مفاد و

منافع سے ہٹ کر اجتماعی مصالح ومفاد کی طرف آ جائے۔

نبوت

نبوت انسان کی زندگی میں ایک خدائی وقوعہ اور ایسا قانون ہے جو کہ فردی مصالح کو اجتماعی مصالح میں تبدیل کرتی ہے اور انسان کو فردی منفعت والے مختصر راستہ سے ہٹا کر اجتماعی مصالح کے طولانی راستہ سے گزارتی ہے اور یہ ایسے اعلان پر ممکن ہوتا ہے کہ زندگی اسی مادی زندگی میں محدود نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور انسان اپنے اعمال کی جزا پانے کے لئے خدا کی طرف منتقل ہو رہا ہے کہ ہر شخص وہاں اپنے اعمال کو دیکھے گا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور
جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ [1]

اور اسی قانون الٰہی کے ذریعہ مصالح اجتماعی کے طویل راستے، فردی، منافع کی طرف پلٹتے ہیں یعنی قانون الٰہی کے سایہ میں اجتماعی فوائد بھی محفوظ ہو جاتے ہیں اور فردی فوائد بھی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس تناقض کا ایک ہی حل ہے اور وہ نبوت و معاد پر عقیدہ رکھنا ہے اور یہ ایسا واحد راستہ ہے جو انسان کو سماج کی خدمت اور اس کے حقیقی مفادات کے درمیان مختار بناتا ہے۔ نبوت عامہ کی بحث ختم ہوئی۔ اب نبوت خاصہ یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اثبات کا آغاز ہو رہا ہے۔

---

[1] سورہ الزلزال: ۷، ۸

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اثبات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں ہم اسی طریقہ استدلال کو اپنائیں گے جس کو وجود صانع کے اثبات میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی استقرا کی عملی دلیل کے ذریعہ ہم وہاں دو دلائل لائے ایک عادی اور دوسری عملی۔ یہاں بھی ہم اس طریقہ پر عمل کریں گے اب ذیل کی مثالوں پر توجہ فرمائیں۔

اگر کسی رشتہ دار کا خط انسان کو ملے اور یہ رشتہ دار مکتب اطفال میں زیر تعلیم ہو اور انسان یہ دیکھے کہ خط عمدہ مضمون، علمی عبارات اور فنی قواعد سے مزین ہے تو انسان فوراً اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ یہ خط ایک تعلیم یافتہ شخص نے اس بچہ کو لکھوایا ہے۔ اس استدلال اور استنتاج کے تجزیہ کے لئے ہم مندرجہ ذیل اقدامات کرنے پڑیں گے۔

﴿۱﴾ اس خط کا لکھنے والا مکتب کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔

﴿۲﴾ خط ایسی فصیح عبارات عمدہ مضمون اور فنی مطالب پر مشتمل ہے جو معمولی افکار سے بالا ہیں۔

﴿۳﴾ استقرا ثابت کر چکا ہے کہ یہ خط ان خصوصیات کے ساتھ ایسے بچہ سے ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم یہ نتیجہ نکالیں گے کہ اس خط کے مطالب کسی دوسرے کے ہیں اور اس بچہ نے اس خط کو لکھنے میں کسی سے مدد حاصل کی ہے یہ مثال روز مرہ کے معمول کے مطابق ہے۔

دوسری مثال فزکس کے قوانین کے اعتبار سے........ یہ الیکٹرون کو ثابت کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے۔علم فزکس کے ایک سائنسدان نے اپنی تحقیقات میں ایک خاص قسم کی شعاع کو بند شیشہ کی نلی سے گزارا۔ تجربہ کی غرض سے انہوں نے گھوڑے کے نعل جیسا مقناطیس کا ٹکڑا شیشہ کے درمیانی حصہ پر رکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ شعاع مقناطیس کے مثبت قطب کی جانب مائل ہوتی ہے اور اس کے منفی قطب سے دور ہوتی ہے اس تجربہ کو انہوں نے مختلف ظروف میں متعدد بار آزمایا، نتیجہ میں انہوں نے استقرا کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ کچھ خاص شعاعیں مقناطیس کے ذریعہ جذب ہوتی ہیں اور قوت جاذبہ مقناطیس کے مثبت قطب میں ہے۔ استقرا اور تجربہ کے ذریعہ ہی فزکس کا سائنسدان جانتا ہے کہ معمولی نور مقناطیس کے ذریعہ جذب نہیں ہوتے لہٰذا ان مخصوص شعاعوں میں کوئی ایسی چیز ہونی چاہئے جو اس میں نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ انہوں نے اس بات کا پتا لگایا ہے کہ یہ شعاعیں ان باریک اجسام سے تشکیل پاتی ہیں جو منفی بار رکھتی ہیں اور یہ باریک اجسام منفی خصوصیت رکھنے والے ہیں اور تمام مواد میں موجود ہیں کیونکہ یہ سب مختلف مواد سے پیدا ہوتے ہیں یہ باریک اجسام ہی الیکٹران ہیں ان دو مثالوں کے خلاصہ سے اس طرح استدلال ہوتا ہے کہ جب ہم ایسے اثر کو دیکھیں جو خود میں موثر عوامل کے تحت یکساں نہ ہو، یعنی عوامل اس میں دو طرح کا اثر رکھتے ہوں یا دوسرے لفظوں میں نتیجہ ظروف اور عوامل سے بڑا ہو تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان محسوس عوامل وظروف کے ماورا کوئی اور شئے ہے جس کی طرف ہماری توجہ نہیں تھی اور ہم سے پوشیدہ رہ گئی ہے اور یہ وہی چیز ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی صداقت پر مضبوط دلیل ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کی جانب سے ملی ہے۔ یہ نتیجہ چند حسب ذیل مراحل سے ثابت ہوتا ہے۔

{پہلا قدم} یہ شخصیت جس نے اپنی رسالت کا پروردگار عالم کی جانب سے اعلان کیا ہے جزیرہ نما عرب سے تعلق رکھتی ہے وہ جزیرہ نمائے عرب جو اس

زمانہ میں ثقافتی، فکری، سیاسی، اقتصادی اور سماجی اعتبار سے سب سے زیادہ پسماندہ علاقہ تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجاز کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حجاز، جزیرہ نما کے عرب کا ایسا محدود علاقہ تھا جس میں معاشرتی تکامل کے لئے کسی طرح کی زمین ہموار نہ تھی۔ خاص کر جزیرہ نمائے عرب کا یہ حصہ اپنے زمانہ کے تمدن سے بے بہرہ تھا اور اعتقادی پہلو سے شرک، بت پرستی اور نسل پرستی کے عقائد میں غرق تھا۔ یہی چیزیں ان کے درمیان اختلافات، جنگوں اور کشمکش کا سبب ہوتی تھیں۔ قبائل کے ہم قسم اور ہم پیمان ہونے کے سوا کوئی نظام حکومت رائج نہ تھا اقتصاد بھی اس علاقہ میں کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ پڑھنا لکھنا بھی جو کہ ثقافت کا ابتدائی مرحلہ ہے ان کے درمیان بہت کم تھا۔ کیونکہ وہ ان پڑھ معاشرہ تھا جس طرح کے قرآن مجید میں آیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے عام لوگوں کی طرح رہتے تھے نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے اور کسی سے کبھی کوئی تعلیم حاصل نہ فرمائی۔ [1]

اسی لئے قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸

اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اُسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے ایسا ہوتا تو اہلِ باطل ضرور شک

---

[1] سورہ الجمعہ: ۲

کرتے۔ [1]

باوجود یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے اور لکھتے نہ تھے پھر بھی قرآنی آیات سے متعلق آپ کی معلومات اور آپ کے علمی کمال ان افراد کے مقابلہ میں واضح دلیل ہیں جو قرآن کو خدا کی جانب سے نہیں سمجھتے کیونکہ ان ہی آیات کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے سامنے پڑھا کرتے تھے وہ قوم جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے جزئیات کو جانتی تھی اس کے باوجود کسی نے نہ اعتراض کیا اور نہ آپ کے دعوے کا انکار کر سکے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے، علمی، ثقافتی، شعری اور تحریری شہرت بھی نہیں رکھتے تھے اور صداقت، عفت و امانت داری کے سوا اپنے ہم سن و سال افراد پر کوئی ظاہری امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ بعثت سے پہلے چالیس سال تک آپ ان ہی لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرتے رہے۔ اپنی بعثت کے لئے مقدمہ فراہم کئے بغیر آپ نے دفعتہً اپنی نبوت کا دنیا والوں کے سامنے اعلان فرمایا۔ اسی لئے قرآن میں یہ مطلب بیان ہوا ہے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ وہی تمہیں اس سے واقف کرتا۔ میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں (اور کبھی ایک کلمہ بھی اس طرح کا نہیں کہا) بھلا تم سمجھتے نہیں۔ [2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے اور بعثت سے پہلے فقط دو بار جزیرہ نمائے عرب سے مختصر مدت کے لئے باہر اس وقت تشریف لے گئے جب ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالبؑ کے ہمراہ بچپن میں سفر فرمایا، دوسری بار اس وقت جب

---

[1] سورہ العنکبوت: ۴۸

[2] سورہ یونس: ۱۶

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے تجارت کی غرض سے سفر اختیار فرمایا۔ یہ سفر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کی تیسری دہائی کے درمیان واقع ہوا تھا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پڑھنا لکھنا ممکن نہ تھا اس لئے آپ یہودیوں یا عیسائیوں کی دینی کتابوں سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے اسی طرح مکہ کے ماحول میں فقط شرک اور بت پرستی کے افکار تھے لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کو اس ماحول سے نہیں سیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی طرح کی دینی یا غیر دینی فکر نے نفوذ نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ جزیرہ نمائے عرب کے مشہور حکیم قیس بن ساعدہ جیسے شخص کی فکر نے بھی نفوذ نہ کیا تھا جو نہ بت پرست تھا نہ عیسائی نہ یہودی اور اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی یا عیسائی فکری مصادر سے آگاہ ہونے کی کوشش فرماتے بھی تو یہ بات نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ اور آپ کے خلاف تمام سازشوں کے ساتھ اس مسئلہ میں دشمن خاموش نہ رہتے۔

﴿دوسرا قدم﴾ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس رسالت کا دنیا میں اعلان کیا اور قرآن، نیز اسلامی شریعت میں جس کا ذکر ہے وہ بہت سی خصوصیات اور امتیازات کی حامل ہے جن میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

﴿۱﴾ اسلامی شریعت نے مسائل الٰہی میں بے نظیر ثقافت کو پیش کیا۔ جیسے صفات خداوندی، خدا کا علم اور اس کی قدرت، خدا اور انسان کے درمیان رابط کی نوعیت، بشریت کی ہدایت کے سلسلے میں انبیاء کی تاریخ اور یہ کہ تمام انبیاء ایک ہی رسالت کے حامل ہیں۔ البتہ اپنے اپنے طریقہ کار اور امتیازات کے ساتھ جو ہر نبی علیہ السلام سے مخصوص رہے ہیں پیغمبروں کی الٰہی سنتیں، حق و باطل اور عدل وظلم کے درمیان دائمی کشمکش۔ الٰہی رسالتوں نے مظلومین کے ساتھ ہمیشہ دائمی اور مضبوط ارتباط رکھا اور ناجائز بالا دستیوں سے ہمیشہ جنگ کی ہے اور یہ الٰہی ثقافت نہ فقط یہ کہ جزیرہ نمائے عرب کی پست ثقافت یعنی شرک و بت پرستی کی ثقافت سے کہیں بڑھ کر تھی بلکہ آج کی دنیا جن مذہبی ثقافتوں سے آشنائی رکھتی ہے ان میں بھی سب سے باعظمت ہے، بلکہ اسلام کی یہ الٰہی ثقافت اس

لئے آئی ہے تا کہ تمام ثقافتوں کی اصلاح کرے۔ تمام انحرافات کو دور کرے اور انسان کو فطرت وعقل کی طرف پلٹائے۔ ان تمام منصوبوں کو ایک ایسا غیر تعلیم یافتہ شخص لایا جس نے شرکت آلود اور غیر متمدن معاشرہ میں آنکھ کھولی تھی۔

﴿۲﴾ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی انسانی زندگی، کام اور معاشرتی تعلقات کے لئے ایسی قدریں اور مفاہیم لائے اور ان کو معاشرہ میں نافذ فرمایا جو ان افراد کی نظر میں بھی قیمتی احکام ہیں جو ان قوانین کے خدائی پہلو پر ایمان نہیں رکھتے تھے وہ جوان جو قبائلی معاشرہ میں پیدا ہوا اور اس نے یکبارگی قیام کیا اور بشریت کو اتحاد و یگانگت کی دعوت دی۔

خود خواہی اور نسل پرستی بیجا برتری کے ماحول میں پلنے والے جوان نے ان بے انصافیوں کے خاتمہ کے لئے قیام کیا اور اعلان کیا۔

الناس سواسية كاسنان المشط

یعنی لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح باہم برابر ہیں۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ ؕ

یعنی تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت
وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہو۔ [1]

اس اعلان کی بازگشت اس حقیقت کی طرف ہے جس کے سایہ میں لوگ سکون و آرام کی زندگی بسر کریں۔ یہ وہ منصوبہ ہے جو زندہ در گور ہو نیوالی عورت کو مرد کی برابر اور انسانیت کو اس کے کمال تک پہنچاتا ہے وہ جوان جو ایسے بیابان میں رہا ہے جہاں کے لوگوں کا مقصد فقط پیٹ بھرنا اور فخر ومباہات کرنا رہا ہے۔ ایسے جوان نے انسانیت کے اعلیٰ مقصد یعنی کسریٰ و قیصر کے ظلم سے مشرق ومغرب کے مظلوموں کو نجات دلانے کے لئے قیام کیا۔ ایسے ماحول میں جہاں سیاست اور اقتصاد کی بجائے سود، احتکار اور

[1] سورہ الحجرات: ۱۳

سامراجیت کا راج تھا ایک رشید فرزند نے قیام کیا اور ان غلط نظاموں کو برطرف کر کے ان کی جگہ معاشرتی اقتصادی اور دولت کی عادلانہ تقسیم کے احکام کو معیار قرار دیا۔ تا کہ

لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ

یعنی مال و دولت گھوم پھر کر فقط مالداروں کے ہاتھ میں نہ رہے۔ [1]

اسی طرح اس جوان نے معاشرتی بہبودی اور کمال کا اعلان کیا۔ یعنی لوگ ایک دوسرے کے سایہ میں رہیں۔ ایسا تمدن پیش کیا جس تک انسان سینکڑوں سال کے تجربے کے بعد بھی نہیں پہنچتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بہت مختصر مدت میں عرب معاشرہ کے اندر بڑی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔

﴿۳﴾ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک اور امتیاز ہے کہ قرآن کی عبارت میں انبیاء اور گذشتہ اقوام کی تاریخ اور حالات کے بہت سے مواد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جبکہ مکہ میں بت پرستی کا ماحول تھا اور وہاں انبیاء کی تاریخ کی لوگوں کو بہت کم اطلاع تھی اور چونکہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امی [2] تھے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تعلیم حاصل نہ فرمائی تھی لہٰذا آپ اس کو کہیں سے لے کر مطالعہ نہیں کر سکتے تھے یہاں تک کہ یہودی اور عیسائی علما کی ایک جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کی دینی تاریخ کو بیان فرمائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قرآنی آیات کے ذریعہ بہادری کے ساتھ جواب دیا ذیل میں تاریخ انبیاء کے متعلق کچھ آیات پیش کی جا رہی ہیں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ
وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾

---

[1] سورہ الحشر: ۷

[2] عربی میں امی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے تحصیل علم کے لئے کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیا ہو۔

اور جب ہم نے موسیٰؑ کی طرف حکم بھیجا تو تم (طور کی) غرب کی طرف نہیں تھے اور نہ اس واقعے کے دیکھنے والوں میں تھے۔

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ۝۴۵

لیکن ہم نے (موسیٰؑ کے بعد) کئی اُمتوں کو پیدا کیا پھر ان پر مدت طویل گزر گئی اور نہ تم مدین والوں میں رہنے والے تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے۔ ہاں ہم ہی تو پیغمبر بھیجنے والے تھے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝۴۶

اور نہ تم اس وقت جب کہ ہم نے (موسیٰؑ کو) آواز دی طور کے کنارے تھے بلکہ (تمہارا بھیجا جانا) تمہارے پروردگار کی رحمت ہے تا کہ تم اُن لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا ہدایت کرو تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔ [1]

تعجب خیز تو قرآن کی وہ حقیقی اور واقعی داستانیں ہیں جو کتب عہد عتیق و عہد جدید سے نقل نہیں کی گئی ہیں، اگرچہ ہم فرض بھی کر لیں کہ مذکورہ داستانیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مشہور تھیں تو ان کتب سے لکھا جانا ان تمام تاریخی رودادوں کا منفی پہلو ہے جبکہ قرآنی داستانیں ایجابی پہلو رکھتی ہیں، یعنی نمونہ ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان دونوں عہدوں میں موجود داستانوں اور خرافات و انحرافات نیز عقل و فطرت سے

---

[1] سورہ قصص: ۴۴ تا ۴۶

سازگار باتوں کی اصلاح وتعدیل کرتا ہے۔

﴿۴﴾ قرآن کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بلاغت میں اس کا ایک ایسا مخصوص اسلوب اور روش ہے کہ قرآن پر ایمان نہ لانے والے افراد نے بھی اس کو قرآن سے پہلے اور بعد والی عربی زبان کے درمیان ایک حد فاصل قرار دیا ہے۔ قرآن نے عربی زبان میں جو انقلاب پیدا کیا ہے وہ اس کی ہمہ جہت لغوی اسلوب کی بنیاد پر ہے۔

قرآن اپنی مضبوطی اور مختلف تعبیرات کے اعتبار سے ان کی تالیفات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ولید بن مغیرہ نے جب قرآن سنا تو کہا۔

واللہ لقد سمعت کلاماً ،ما ھو من کلام الانس ولا من کلام الجن، وان له لحلاوة وان علیه لطلاوة وان اعلاه لمثمر، وان اسفله لمغدق، وانه لیعلو وما یعلی، وانه لیحطم ما تحته۔

"یعنی میں نے ایسا کلام سنا جو نہ انسان کا کلام ہے اور نہ جن کا کلام ہے اس میں شیرینی اور زیبائی ہے اس کا اوپری حصہ پھل دار درخت جیسا اور نچلا حصہ گوادا ہے یہ قرآن ترقی کی حالت میں ہے کوئی چیز اس پر غالب نہیں آتی۔ وہ اپنے سے کم درجہ کو مغلوب کرتا ہے۔"

جزیرہ نمائے عرب کے لوگ قرآن کو غور سے نہیں سنتے تھے تا کہ ایسا نہ ہو کہ قرآن ان کو متاثر کر دے اور اس سے ڈرتے تھے کہ قرآن ان میں کوئی تبدیلی ایجاد نہ کر دے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن میں حیرت انگیز امتیازات پائے جاتے ہیں اور دوسری تالیفات کی طرح زمانہ اس کو متاثر نہیں کرتا۔

عرب کے لوگ قرآن کے چیلنج کے سامنے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تسلیم ہو گئے اور اس کا مثل لانے یا اس کے مثل دس سورہ لانے یا ایک سورہ بھی لانے سے انہوں نے عجز و

ناتوانی کا اعلان کر دیا اور اس مطلب کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اس قوم کے درمیان اعلان فرمایا۔ جن کا فن و ہنر فقط فصاحت و بلاغت تھا اور ان کی سب سے بڑی تمنا نور نبوت کو بجھانا تھی، پھر بھی وہ قرآن سے مقابلہ نہ کر سکے پھر بھی وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ قرآن کے ادبیات ان کی لغوی وفنی قدرت سے بالاتر ہیں۔ زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ وہ انسان اس سرمایہ کو لایا ہے جو چالیس سال ان کے درمیان رہا۔ اور اس بات کا سابقہ بھی نہیں تھا کہ اس نے ان کے ادبی جلسات میں شرکت کی ہو۔ اس مدت میں لغوی و ادبی نقطہ نظر سے اس کا اپنی قوم کے درمیان کوئی امتیاز بھی نہیں رہا۔ یہ سب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیتوں کے چند نمونے تھے جن کو ذکر کیا گیا۔

﴿ تیسرا قدم ﴾ جیسا کہ دوسرے قدم میں بیان کیا گیا۔ علمی استقرا کی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت انسانی معاشروں کی تاریخ میں ایسی بے نظیر خصوصیات کی حامل ہے جو ظروف وعوامل سے بہت بالاتر تھی۔ جزیرہ نمائے عرب اس نقلاب کا ظرف تھا اور باقی عوامل اس نہضت کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے۔ ہم پھر اس امر کی تاکید کرتے ہیں کہ دنیا کی نجات بخش تحریکوں کے درمیان ایک کامل انسان نے ظہور کیا، لوگوں کا قائد اور رہنما ہوا اور ان کو آزادی، ترقی و کمال کی طرف لے گیا۔ لیکن اگر ہم دنیا کے تمام انقلابات کا اسلام کی مقدس تحریک سے مقابلہ کریں تو ہمیں کچھ فرق نظر آئیں گے جن کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

[أ] اس تحریک کے ذریعہ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں زندگی کی قدروں اور اس کے مفاہیم کے تمام پہلوؤں میں حیرت انگیز اور ہمہ گیر تبدیلی پیدا ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ بت پرستی کا معاشرہ تیزی کے ساتھ اس توحید کی طرف روانہ ہوا جس نے تمام ادیان کی توحید کی اصلاح کی۔ توحید کے چہرے کو خرافات اور افسانوں کے غبار سے صاف کیا اور پسماندہ معاشرہ کو ایسا ترقی یافتہ معاشرہ بنا دیا جو دنیا کے تمام معاشروں کا راہ گشا ہو۔

۲ دوسری جانب جس معاشرہ میں بھی انقلاب واقع ہوتا ہے وہ اچانک رونما نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بہت سے مقدمات اور مراحل کا نیاز مند ہوتا ہے۔ پہلے لوگوں میں روحی اور فکری آمادگی ایجاد ہونا چاہئے، پھر وہ فکر پختہ ہو، پھر قیادت کے لئے لیاقت والا رہنما ہونا چاہئے، پھر انقلاب کے لئے زمین ہموار کی جائے، اتحاد کا پھل آئے، اس کے بعد انقلاب کشمکشوں سے گزر کر مقصد کی طرف قدرت کے ساتھ پیشرفت کرے اور دشمن پر غلبہ حاصل کرے۔ لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس نہضت اور رسالت میں ان میں سے کوئی مقدمہ اور مرحلہ نہیں تھا بلکہ یہ تحریک صدر اسلام کے برگزیدہ افراد کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں اچانک شروع ہوئی آپ خود اس تحریک اور الٰہی انقلاب کے بانی تھے انبیاء کی تاریخ کے سلسلے کے علاوہ آپ کی تحریک کسی اور سلسلے کی کڑی نہ تھی۔

۳ تاریخی لحاظ سے ثابت ہے کہ ہر وہ فکری، اعتقادی اور معاشرتی رہنما جو خود اپنی ایجاد کے ذریعہ کسی تحریک کی قیادت کرتا ہے اس کو تجربہ کی بنیاد پر اس تحریک کی مخصوص ثقافت کا حامل ہونا چاہئے، لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر ایک فکری اقتصادی اور معاشرتی انقلاب کی راہنمائی فرمائی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی تھے اور کسی دنیاوی درسگاہ کے پڑھے لکھے نہ تھے۔ اس کے علاوہ اپنے زمانہ نیز گذشتہ ادیان کی ثقافت کی بھی کوئی اطلاع نہ رکھتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیادت کے سلسلے میں بھی کوئی تجربہ نہ تھا۔

۴ اب ہم چوتھے مرحلہ یعنی نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ جب ہم خلاف عادت کوئی ایسا حادثہ دیکھیں جو حسی ظروف اور عوامل کے لحاظ سے معقول نہ ہو تو ہم کو جاننا چاہئے کہ ہماری نظروں سے مخفی ایک عامل اس میں کارفرما ہے اور وہ عامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے سلسلے میں وحی الٰہی ہے اسی معنیٰ نے آسمان و زمین کو باہم متصل کیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰـكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَـتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۵۲﴾

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔ لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور بے شک (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو۔ [1]

[1] سورہ الشوریٰ: ۵۲

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک اور رسالت میں موثر عوامل

گذشتہ مطالب کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم رسالت کی فقط وحی کی بنیاد پر تفسیر کریں۔ یعنی یہ کہیں کہ حسی اور مادی عوامل امر رسالت میں موثر نہیں تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حسی اور مادی عوامل فقط فطری وطبیعی روش میں موثر ہیں۔ اگر چہ رسالت اپنے معنی کے لحاظ سے حقیقی اور الٰہی ہے اور حالات و مادی ظرفیت سے بالا ہے لیکن یہ رسالت جب عمل کی طرف بڑھے تو محسوسات سے رابطہ برقرار کرسکتی ہے۔ مثلاً ایک انسان غصہ کے عالم میں ایک چیز کو پھاڑنا یا تباہ کرنا چاہتا ہے، اسی حال میں تصور کرتا ہے کہ اس کا خدا جسم والا ہے اسی لئے غصہ میں وہ اپنا پیر بت پر مارتا ہے یا اگر بت حلوا ہے تو بھوک کے عالم میں اس کو کھا جاتا ہے۔ یہی فطری شعور اس کو نئی رسالت کے متعلق تحقیق کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ دوسری مثال یہ کہ غریب اور زحمت کش عرب معاشرہ پر استعماریوں کی جانب سے ظلم وستم ہوتا ہے مظلومیت کا یہی احساس اس کو نئی اسلامی تحریک کی مدد کرنے اور پرچم عدالت کو بلند کر کے سود خوروں سے نجات حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے تیسرا نمونہ وہ قبائلی شعور اور رسومات جو جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں میں رائج تھیں جیسے قبائل قریش کے درمیان کے اختلافات اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلہ کے ذریعہ آپ کی طرفداری اور دشمنوں سے آپ کی حفاظت یا اس وقت کی دو طاقتور حکومتوں ایران و روم کے درمیان اختلاف جو آپس میں برسرپیکار تھیں اور اس اختلاف نے ان کو جزیرہ نمائے عرب میں دخل دینے کا موقع نہ دیا۔ یہ ایسے نمونے تھے کہ جن میں محسوس عوامل بالواسطہ اسلام اور

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی ترقی میں موثر تھے لیکن ہم ان عوامل کی رو سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی تفسیر نہیں کر سکتے بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی رسالت اور نبوت ایسے الٰہی معانی کی حامل ہے جو مادی حدود اور شرائط سے بالاتر ہیں۔ یہاں پیامبر کی بحث ختم ہوئی۔اب رسالت اور پیام کی بحث شروع ہوتی ہے۔

خلاصہ اصول دین ﴿۳﴾

الرسالتہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت

کتاب "انقاوی الواضحہ"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت

اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اسلام ہے

اسلام وہ دین ہے جس کی تبلیغ کے لئے خدا نے اپنے پیغمبر رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے اور ان کی توصیف میں فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ [1]

اسلام کا سب سے پہلا مقصد انسان کو خدا ور روز جزا سے مربوط کرنا ہے۔ انسان اور خدائے یکتا کا رابطہ انسان کی فطرت کا جز ہے۔ اسلام نے اس فطرت پر زور دیا ہے تا کہ انسان کو شرک کی مختلف قسموں سے نجات دے۔ اسلام کا سب سے پہلا مذہبی نعرہ ''لا الہ الا اللہ'' ہے جو کہ نبوت خدا اور مخلوق کے درمیان رابطہ اور خدا کی طرف توجہ کے اثبات کے لئے مضبوط معیار ہے۔

---

[1] سورہ الانبیاء:۱۰۷

انسان کا روز جزا اور عقیدہ قیامت سے رابطہ اس دنیا میں اختلافات کے حل اور عدل الٰہی کو وجود بخشنے کا واحد ذریعہ ہے جس طرح کہ گذشتہ بحثوں میں اشارہ ہوا اور آنیوالی بحثوں میں بھی بیان کیا جائے گا۔ اسلام کا پیام اور اس کی رسالت تمام آسمانی رسالتوں سے برتر ہے اور ایسی خصوصیات کی حامل ہے جس میں سے بعض کو مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

﴿۱﴾ اسلام کی رسالت اور اس کا پیام قرآن میں بیان ہوا ہے اور قرآن تمام آسمانی کتب کے مقابلہ میں تحریف سے محفوظ رہا ہے جبکہ باقی کتب آسمانی میں تحریف ہوگئی ہے اور ان کے بہت سے مطالب حذف ہو گئے ہیں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝٩

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ [۱]

تحریف ہونیوالی رسالت اور اس کا پیام انسان اور خدا کے درمیان رابطہ قائم کرنے کے قابل نہیں کیونکہ یہ رابطہ نام کا رابطہ نہیں بلکہ مغوی رابطہ ہے اور فکر و روش کے لحاظ سے رسالت کے مفہوم سے وابستہ ہے، یعنی ایک رسالت اور اس کے پیغام (عقائد و احکام) کو تحریف سے محفوظ ہونا چاہئے اس لئے اسلام کی سلامتی قرآن کی سلامتی سے وابستہ ہے اور چونکہ قرآن مضبوط دلیلوں کے ذریعہ تحریف سے محفوظ رہا ہے اس لئے اپنے پیروکاروں کو اعلیٰ انسانی مقاصد تک پہنچا سکتا ہے۔

﴿۲﴾ مذکورہ بالا مطالب سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآنی عبارت کمی و زیادتی کے بغیر باقی رہی ہے اور عبارت قرآن کا باقی رہنا گویا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا باقی رہنا ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اثبات کا اہم ذریعہ ہے کیونکہ ہم بحث نبوت میں کہہ چکے ہیں کہ دلیل استقرا کے ذریعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت قرآن کے وسیلہ سے ثابت ہوتی

---

[۱] سورہ الحجر:۹

ہے اور جب تک قرآن باقی ہے یہ دلیل باقی ہے۔ برخلاف دیگر نبوتوں کے کہ ان کے اثبات کی دلیل معین زمانہ کے حوادث اور واقعات تھے، جیسے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت جو معجزہ کے ذریعہ ثابت ہے، یہ معجزہ اس زمانہ کے لئے کافی تھا لیکن آج اس معجزہ کے ذریعہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس میں اب کوئی زور نہیں اور جس میں کوئی زور اور قوت نہ ہو خدا لوگوں کو اس کا مکلف نہیں فرما سکتا کہ وہ ضرور بالضرور اس کے معتقد ہوں اسی لئے ارشاد ہوتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ؕ

اللہ کسی پر اس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ [1]

یعنی ذمہ داری وسعت اور توانائی کے اعتبار سے ہے جسمانی قوت و توانائی یا فکری توانائی اور آج ہم جو گذشتہ انبیاء پر اعتقاد و ایمان رکھتے ہیں وہ قرآن کے ان کی نبوت کی خبر دینے کی بنا پر ہے۔

﴿۳﴾ زمانہ کی رفتار اسلام کی بنیادی دلیل یعنی قرآن کو بے قیمت نہیں کر سکتی بلکہ گزرتے ہوئے زمانہ نے قرآن کے ایسے مختلف پہلوؤں کا پتہ لگایا ہے جن تک سائنس سالوں سال بعد پہنچی ہے اس لئے کہ قرآن مخلوقات، زمینوں اور باقی موجودات کی خلقت میں تفکر اور ان کے اسرار کے مطالعہ کے ذریعہ انسان کو خدا سے مربوط کرتا ہے یہاں تک کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک انگریز ماہر ادبیات نے ہوا کے ذریعہ نباتات کی تلقیح کا پتہ لگانے کے بعد کہا۔

ان اصحاب الابل قدعرفوا ان الریح تلقح الاشجار والثمار قبلان یتوصل العلم فی اوروبا الی ذالک بعدۃ قرون

''یعنی عرب کے اونٹ چرانے والے ہوا کے ذریعہ اشجار

---

[1] سورہ البقرہ:۲۸۶

کی تلقیحی کیفیت کو سائنس سے پہلے جان چکے تھے۔"

﴿۴﴾ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے اور اس بنا پر رسالت مختلف تقاضوں کے درمیان توازن برقرار کر سکتی ہے اور ایسی بنیاد قائم کر سکتی ہے جو مزدور اور کسان نیز فرد اور معاشرہ کے درمیان ربط قائم کر سکے اور انسان کو مادی اور معنوی زندگی کے درمیان سرگردانی سے رہائی دلا سکے۔

﴿۵﴾ یہ اس یگانہ آسمانی رسالت کا پیغام ہے جس نے صرف نعرہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ اپنے اعلان کئے ہوئے نعرہ کو لوگوں کی زندگی میں نافذ بھی کر سکتا ہے۔

﴿۶﴾ یہ رسالت اور اس کا پیغام تاریخ ساز ہے اور اس طراز کے مانند ہے جس سے عمارت کی کجی درست کی جاتی ہے۔ تاریخ اس رسالت کے ہمراہ چلتی ہے اور اس کے نور سے استفادہ کرتی ہے لیکن چونکہ یہ آسمانی رسالت ہے اور مادی عوامل سے بالاتر ہے اس لئے تاریخ کے آگے جھکتی نہیں ہے، یعنی تاریخ اس کی طرز رفتار کو بدل نہیں سکتی۔ کیونکہ یہ رسالت غیبی عامل پر تمام ہوتی ہے اور مادی محاسبات سے مطابقت نہیں رکھتی، لہٰذا اس رسالت کی تاریخ کو مادی عوامل کے تحت سمجھنا غلط ہے اور جب تک ہم اس رسالت کو ایک الٰہی حقیقت کے سانچے میں نہ دیکھیں اس کی تاریخ کو نہیں سمجھ سکتے۔

﴿۷﴾ اس رسالت اور اس کے پیغام نے فقط امت اسلام کی تشکیل پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا ارادہ مسلمین کی ایک ایسی طاقت وجود میں لانا ہے جو دنیا کی اصلاح کرے چنانچہ بعض باانصاف یورپی دانشوروں نے اس کا اعتراف یوں کیا ہے کہ اسلام کی ثقافتی تحریک نے یورپ کی سوئی قوموں کو جگا کر ان کو راستہ دکھایا ہے۔

﴿۸﴾ یہ رسالت اور پیام گذشتہ تمام انبیاء کی رسالت سے ممتاز ہے کیونکہ یہ دین خدا کی ایسی آخری پیشکش ہے جس کی رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ تبلیغ ہوئی ہے۔ اس خاتمیت کے دو معنی ہیں ایک منفی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا

دوسرے مثبت یعنی قیامت تک آپ کی نبوت کے باقی رہنے کا اعلان ہے۔

جب ہم نبوت کے منفی معنی یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت کو مدنظر قرار دیں تو ہم دیکھیں گے کہ اس کے احکام پوری چودہ صدیوں میں واقعات کے مطابق رہے ہیں اور آنے والے زمانوں میں بھی حقیقت کے مطابق رہیں گے۔ اس لئے کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت تمام نبوتوں کے امتیازات کی حامل ہے۔ اسی لئے تمام زمانوں میں اپنے استمرار اور دوام کو باقی رکھ سکتی ہے چنانچہ قرآن میں اعلان ہوتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

"یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حق کتاب نازل کی جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہٰذا آپ تنزیل خدا کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ [1]

﴿۹﴾ جب خدا نے نبوت کو ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ پر ختم فرمایا تو اس کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ اسلامی امت کی امامت اور خلافت کے لئے کچھ اوصیا اور جانشین منصوب فرمائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان روایات صحیح کے مطابق جو تمام مسلمین کے درمیان مسلم ہیں ان کی تعداد اسمائے گرامی اور ان کی پہچان بیان فرمائی ہے۔ ان میں پہلے حضرت علی علیہ السلام ان کے بعد امام حسن علیہ السلام پھر امام حسین علیہ السلام ان کے بعد علی الترتیب ان کی اولاد میں حضرت علیؑ بن حسین علیہ السلام پھر محمد بن علی الباقر علیہ السلام پھر جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام پھر موسیٰ بن جعفر الکاظم علیہ السلام پھر محمد بن علی الباقر علیہ السلام پھر محمد بن علی علیہ السلام الجواد پھر علی بن محمد الہادی علیہ السلام پھر حسن بن علی العسکری علیہ السلام پھر محمد بن حسن المہدی علیہ السلام ہیں۔

---

[1] سورہ مائدہ: ۴۸

﴿۱۰﴾ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی غیبت کے زمانے میں لوگوں کو احکام اسلامی میں فقہا اور علما کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اب اجتہاد کو کھول دیا ہے تا کہ لوگوں کی ضرورت برطرف ہوتی رہے۔ اجتہاد یعنی کتاب وسنت اور باقی مدارک اسلام کے ذریعہ احکام کے استنباط کی کوشش کرنا ہے۔

الحمداللہ رب العالمین